اسلامیات (اختیاری)

دسویں جماعت کے لئے

NOT FOR SALE
Free From Government

خیبر پختونخوا ٹیکسٹ بک بورڈ پشاور

اسلامیات (اختیاری)

دسویں جماعت کے لئے

خیبر پختونخوا ٹیکسٹ بک بورڈ پشاور

کسی بھی قومی فریضہ میں عمداً کوتاہی کرنا خیانت ہے اور حدیث نبوی ﷺ کی رُو سے خائن شخص کامل ایمان والا نہیں ہوتا۔

جملہ حقوق بحق لیڈنگ بکس پبلشر محفوظ ہیں

منظور کردہ: نظامت نصاب و تعلیمِ اساتذہ خیبر پختونخوا، ایبٹ آباد

بمطابق: قومی نصاب 2006

مراسلہ نمبر 2280-82/SS-II مؤرخہ 22/03/2013

مصنفین: نیاز محمد، محترمہ پروین اختر، مسز ناصرہ حمید، محترمہ عنبر نوریز

نگران نظر ثانی کمیٹی: گوہر علی خان، ناظم نصاب و تعلیم اساتذہ خیبر پختونخوا، ایبٹ آباد

فوکل پرسن: ذوالفقار خان، ایڈیشنل ڈائریکٹر نصاب و نظر ثانی کتب، نظامتِ نصاب و تعلیمِ اساتذہ خیبر پختونخوا، ایبٹ آباد

نظر ثانی: کفایت اللہ، پرنسپل جی ایچ ایس ایس چمکنی، پشاور

نیاز محمد، ایس ایس ٹی، جی ایچ ایس سربند، پشاور

ڈاکٹر شوکت اللہ، اے پی، سپریئر سائنس کالج پشاور

نصیر اللہ، ایس ایس، جی ایچ ایس ایس نمبر 1، پشاور

مدیر: اعزاز اللہ کاکاخیل، ماہرِ مضمون (اسلامیات) خیبر پختونخوا ٹیکسٹ بک بورڈ پشاور

زیرِ نگرانی و رہنمائی: ڈاکٹر حسین آفریدی (چیئرمین)

سعید الرحمٰن (ممبر ای اینڈ پی)

خیبر پختونخوا ٹیکسٹ بک بورڈ

تعلیمی سال 2019-20

ویب سائٹ: www.kptbb.gov.pk

ای میل: membertbb@yahoo.com

فون نمبر 091-9217889

NOT FOR SALE

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

مملکت پاکستان بنانے میں یہ عظیم مقصد کارفرما تھا کہ پاکستان میں اسلامی احکام نافذ کیے جائیں اور مسلمانوں کو مذہبی آزادی حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس مقصد میں کامیابی عطا فرمائی اور 1947ء میں پاکستان کا قیام عمل میں لایا گیا۔

اسلامی ملک ہونے کے سبب اس کا نظریہ حیات اسلام ہے اور مسلمان ہونے کے ناطے ہماری کوشش ہے کہ ہم اپنے طلبہ و طالبات میں اسلامی اقدار سے محبت و الفت پیدا کریں تا کہ وہ اپنی شخصیت و کردار کو اسلامی سانچے میں ڈھالیں اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے حکومت خیبر پختونخوا نے اسلامیات (اختیاری) کو موثر اور مفید بنانے کے لیے کوششیں کی ہیں کہ نصاب متوازن، بامقصد اور جدید دور کے تقاضوں کے مطابق ہو اور طلبہ کو حصول مقاصد میں کامیابی ہو اور غیر ضروری بوجھ میں الجھنے نہ پائیں۔

اسلامیات اختیاری جماعت دہم کی ترتیب و تدین اس طرح کی گئی ہے کہ اساتذہ اور طلبہ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ غیر متعلقہ مواد اور مضامین سے گریز کیا گیا ہے۔ اس لیے اساتذہ کو چاہیے کہ وہ درسی کتاب تک ہی محدود نہ رہیں بلکہ مزید تفصیلات کے لیے خوب مطالعہ کر کے کمرہ جماعت میں آئیں۔

اسلامیات کی تدریس میں مشغول اساتذہ کرام کو چاہیے کہ وہ اپنی شخصیت مکمل طور پر اسلامی طرز پر استوار کریں تا کہ قول و فعل کے تضاد سے بچا جا سکے۔

اساتذہ کرام کو چاہیے کہ قرآن و حدیث کے الفاظ و تراکیب کی وضاحت اس طرح کریں کہ روزمرہ زندگی سے ان کا تعلق واضح ہو سکے۔ نیز فرقہ وارانہ اور فروعی مسائل سے مکمل طور پر اجتناب کیا جائے۔

جدید طریقہ ہائے تدریس کو استعمال کرتے ہوئے تعلیمی جائزے کے لیے اسباق کی مشقوں میں معروضی، غیر معروضی، نیم معروضی اور عملی سرگرمیاں بھی شامل کی گئیں ہیں تا کہ ہر طرح کی ذہنی قابلیتوں کی آزمائش کی جا سکے۔

NOT FOR SALE

فہرست عنوانات

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
1	باب اول مضامینِ قرآن	01
	1. توحید	01
	2. نبوت ورسالت	08
	3. ملائکہ	12
	4. آخرت/معاد	14
2	باب دوم عبادات	22
	1. نماز	24
	2. روزہ	26
	3. زکوٰۃ	28
	4. حج	31
3	باب سوم سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	36
	1. رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی تعلیمات کی حیثیت ومقام	36
	2. محبت واتباع	39
	3. اسوۂ حسنہ	42
4	باب چہارم قرآنی آیات (ترجمہ وتشریح)	49
5	باب پنجم حدیث اور سنت	68
	1. جمع وتدوین حدیث	68
	2. مشہور کتب حدیث اور ان کے مصنفین کا تعارف	72
	3. اصطلاحات حدیث	77
	4. منتخب احادیث (ترجمہ وتشریح)	79
6	باب ششم اسلامی علوم اور مسلمانوں کی خدمات	105
	1. علم فلسفہ	105
	2. علم کلام	107
	3. سائنسی علوم	109

CS CamScanner

7	باب ہفتم اسلامی تہذیب وتمدن (تعارف واہمیت)	130
	1. اسلامی تہذیب کی خصوصیات	131
	2. اسلامی تہذیب وتمدن کا فروغ	133
	3. معاشرتی استحکام	138
8	باب ہشتم اسلام اور عہد حاضر	145
	1. مسلم ممالک کے باہمی تعلقات	145
	2. مسلم ممالک میں غیر مسلموں کے مسائل	150
	3. غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کے مسائل	153
9	باب نہم عربی زبان	156
	1. اَلْمُرَکَّبُ النَّاقِص وَالتَّام	156
	2. اَلْمُرَکَّبُ العَدَدِی	158
	3. اَلْمُرَکَّبُ التَّام	161

NOT FOR SALE

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

باب اول

مضامینِ قرآن

تدریسی مقاصد

اس سبق کے پڑھنے کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

وہ قرآن مجید میں توحید، رسالت، آخرت، ملائکہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام ومنصب کے حوالے سے آیات کا تفصیلی مطالعہ کرنے کی استعداد پاسکیں اور مجوزہ آیات قرآنیہ کا ترجمہ اور تشریح کرسکیں۔

1. توحید

اسلام کے پورے اعتقادی اور عملی نظام میں سب سے پہلی اور سب سے اہم چیز ''ایمان باللہ'' یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان ہے۔ یوں تو بہت سے گروہ اور قومیں اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتی ہیں لیکن اسلام کے نقطۂ نظر سے ایمان باللہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ایک مانا جائے اور کسی دوسرے کو اس کا شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنا تعارف سورۃ اخلاص میں اس طرح کرایا ہے۔

قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ لَمۡ يَلِدۡ ۙ وَلَمۡ يُوۡلَدۡ ۙ وَلَمۡ يَكُنۡ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ

ترجمہ: ''کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے۔ نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا۔ اور اس کا کوئی ہمسر نہیں''

NOT FOR SALE

اس سورت میں توحید کے حوالے سے دو لفظ زیادہ اہم ہیں ایک ''اَحَد'' اور دوسرا ''صَمَد'' یہ دونوں لفظ اللہ تعالیٰ کے تمام کمالی صفات پر حاوی ہیں۔ اَحَد کا مفہوم یہ ہے کہ اس جیسا کوئی نہیں، اس کو کسی کی حاجت نہیں ہے، وہ یکتا و تنہا، اکیلا، بے نیاز، بے پرواہ اور مستغنی ہے اور صَمَد کا مفہوم یہ ہے کہ وہ سب کا دستگیر، سب کی جائے پناہ، سب کی امیدوں کا مرکز اور سب کا ملجاو ماویٰ ہے۔

یہی توحید کا مفہوم ہے۔ باقی جتنے عقائد ہیں ان سب کی تکمیل عقیدۂ توحید سے ہوتی ہے۔ یوں سمجھنا چاہیئے کہ ان سب کا سرچشمہ ''توحید'' ہے۔ ملائکہ پر ایمان لانا اس لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار بندے اور پیامبر ہیں۔ کتابوں پر اس لیے ایمان لانا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہیں، رسولوں پر اس لیے ایمان لانا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں۔ یومِ آخرت پر اس لیے ایمان لانا کہ یہ مالک الملک کے عدل وانصاف کا دن ہے۔ فرائض کی بجا آوری اس لیے ضروری ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے، حقوق کی ادائیگی اس لیے لازمی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر مبنی ہیں، امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر عمل اس لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

ذات وصفات باری تعالیٰ:

عقیدۂ توحید صرف اس قدر نہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ باکمال پر یقین رکھنا، عقیدے کی اصل جان ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات دونوں میں یکتا ہے۔ ذات میں یکتا ہونے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی برابری نہیں کرسکتا۔ اس کا نہ کوئی باپ ہے اور نہ کوئی بیٹا کیونکہ باپ اور اولاد کی حقیقت ایک ہی ہوتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی حقیقت میں کوئی شریک نہیں تو نہ اللہ تعالیٰ کسی کا بیٹا ہے اور نہ اس کا کوئی بیٹا بیٹی۔ قرآنِ مجید میں ارشاد ہے:

لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا (الاسراء:۱۱۱)

''اس کی کوئی اولاد نہیں''۔

صفات میں یکتا ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کائنات کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے جو حیّ وقیوم، قادر و رازق اور رحمٰن و رحیم ہے اور اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ لہٰذا ہمیں چاہیئے کہ خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت وبندگی بجالائیں اور اس کی ذات میں کسی کو شریک نہ کریں اور اس کے سوا کسی کو لائق عبادت نہ جانیں۔

خدا کو کسی نے دیکھا نہیں۔ اس کی بنائی ہوئی کائنات اور اس کائنات میں پھیلی ہوئی نشانیوں کو دیکھ کر انسان خالقِ کائنات کی وحدانیت، قدرت اور علم وحکمت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔ ذاتِ الٰہیہ زمان، مکان، جہت، صورت، جسم، تغیّر، تاثر اور انتقال سے کامل

طور پر پاک ہے۔ وہ واجب الوجود ہے۔ یعنی ایک ایسا وجود جو ہمیشہ تھا، ہے اور رہے گا۔ وہ قائم بالذات ہے۔ اللہ تعالیٰ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ (الحدید: ۳)

''وہی اوّل ہے وہی آخر وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے''

کائنات میں اسی کی قدرت کا ظہور ہے، اس طرح وہ ظاہر ہے۔ اور وہ نہیں دیکھا جاسکتا اس لیے اپنی ذات میں پوشیدہ بھی ہے۔ وہی ایک ذات ہے کہ جسے بقا حاصل ہے۔

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ۭ (سورۃ القصص:۸۸)

''ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اس کی ذات کے''۔

اسلام نے صفاتِ الٰہیہ کا جو تصوّر دیا ہے وہ ذاتِ الٰہیہ کے شایانِ شان ہے جیسے ذاتِ الٰہیہ بے مثال ہے ویسے ہی صفاتِ الٰہیہ بھی بے مثال ہیں۔:

وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ۭ (سورۃ النحل:۶۰)

''اللہ تعالیٰ کی صفات سب سے برتر اور اعلیٰ ہیں''

لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۝ (سورۃ طٰہٰ:۸)۔

''اس کے اچھے اچھے نام ہیں''

لفظ ''اللہ'' اسمِ ذات ہے اور باقی اسمائے حسنہ اس کی صفات ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات اس کی ذات کے ساتھ قائم اور لامحدود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کی وسعت اور گہرائی کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ وہ خالق (پیدا کرنے والا) ہے، ربّ (پالنے والا) ہے، الرّحیم (باربار رحم کرنے والا)، الرّحمان (بے حد رحم کرنے والا)، اَلوَدُود (پیار کرنے والا)، اَلوَھَّاب (بہت عطا کرنے والا)، اَلجَبَّار (جبروت والا)، اَلعَزِیز (زبردست۔ غلبہ والا)، اَلقَھَّار (غالب، جس کے حکم سے کوئی باہر نہیں ہو سکتا)، اَلمُتَکَبِّر (اپنی بڑائی دکھانے والا)، اَلمُنتَقِمُ (سزا دینے والا)، اَلحَیُّ (زندہ اور دوسروں کو زندگی بخشنے والا)، اَلقَیُّوم (قائم رہنے والا)، اَلسَّمِیع (سننے والا)، اَلبَصِیر (دیکھنے والا) اور اَلحَکِیم (حکمت والا) ہے۔

وہ قادرِ مطلق ہے، اس کی کوئی عد اور انتہا نہیں ہے:

CS CamScanner

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ (سورۃ فاطر:۱)

''یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے''۔

وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ (سورۃ البقرۃ:۲۵۵)

''اس کا اقتدار آسمانوں اور زمین پر حاوی ہے''۔

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ (سورۃ الاعراف:۵۴)

''سن لو، خلق اور امر اسی کے ہیں''۔

اس کی قدرت کی طرح اس کے علم کی بھی کوئی حد اور انتہا نہیں ہے:

وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝ (سورۃ الحجرات:۱۶)

''اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے''۔

لَا یَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الْاَرْضِ (سورۃ سبا:۳)

''اس سے کوئی چیز نہ آسمانوں میں چھپی ہوئی ہے اور نہ زمین میں''۔

وَ مَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا (سورۃ سبا:۳)

''اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اسے جانتا ہے''۔

یَعْلَمُ خَآىِٕنَةَ الْاَعْیُنِ وَ مَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ ۝ (سورۃ المومن:۱۹)

''وہ نگاہوں کی چوری اور وہ راز تک جانتا ہے جن کو سینے چھپائے ہوئے ہیں''۔

وَ نَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ (سورۃ ق:۱۶)

''اور ہم انسان کے دلوں کے وسوسوں تک کو جانتے ہیں''۔

خالقیت و ربوبیت:

کائنات اور دنیاوی نظم و نسق کو قادرِ مطلق کی ذات ہی نے قائم کیا ہے۔

ہر انسان کی شکل دوسرے سے مختلف ہوتی ہے۔ اسی طرح ہر ایک کی آواز الگ، نشانات جُدا، خصلت و عادات جُدا، پیدائش علیحدہ اور خاتمہ مختلف انداز میں۔ آخر وہ کون سی قدرت ہے جس کے تحت یہ کام ہو رہا ہے۔ دنیا میں آج کروڑوں افراد ہیں اور ان کی پیدائش اور وفات کا سلسلہ سالہا سال سے چل رہا ہے اور چلتا رہے گا۔ لیکن تمام افراد کی انگلیوں کے پوروں کے نشانات حیرت انگیز طور پر ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ ان تمام باتوں سے بنیادی سوال یہی پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کون سی قدرت ہے جس کے ماتحت یہ کام انجام پا رہا ہے۔ انسان یہ سب کچھ دیکھتا ہے تو پکار اٹھتا ہے:۔

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ ۝ (سورۃ المومنون:۱۴)

''بڑا ہی بابرکت ہے اللہ تعالیٰ، سب کاریگروں سے اچھا کاریگر''۔

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ۝ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بَلْ لَّا یُوْقِنُوْنَ ۝

(الطور:۳۵-۳۶)

''کیا یہ کسی خالق کے بغیر خود پیدا ہو گئے ہیں؟ یا خود اپنے خالق ہیں؟ یا زمین و آسمانوں کو انہوں نے پیدا کیا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ یقین نہیں رکھتے۔

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ۝ (سورۃ المومنون:۸۶)

ترجمہ: ان سے پوچھو کہ سات آسمانوں کا کون مالک ہے اور عرشِ عظیم کا کون مالک ہے؟

اس آیت میں توحید ربوبیت کے عقیدے پر دلیل دی جارہی ہے۔اے میرے رسول اگر آپ ان سے پوچھیں گے کہ ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کا رب کون ہے؟ تو وہ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ ان کا رب ہے پھر آپ ان سے کہہ دیجیے کہ اگر تم لوگ یہ جاننے کے باوجود اس کے ساتھ کسی کو شریک بناتے ہو اور قرآن اور اس کے رسول کو جھٹلاتے ہو تو کیا اس کے عذاب سے ڈرتے نہیں ہو؟

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

ترجمہ: سب طرح کی تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام مخلوقات کا پروردگار ہے۔

''الحمد میں ال، استغراق یا اختصاص کے لیے ہے، یعنی تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں یا اس کے لیے خاص ہیں۔کیوں کہ تعریف کا اصل مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے، کسی کے اندر کوئی خوبی اور کمال ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے۔''اللہ'' یہ اللہ کا ذاتی نام ہے، اس کا استعمال کسی اور کے لیے جائز نہیں۔''رَبّ'' اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے، جس کے معنی ہیں ہر چیز کو پیدا کرکے اس کی ضروریات مہیا کرنے اور اس کو تکمیل تک پہنچانے والا۔''عالمین'' (عالم) کی جمع ہے جس سے مراد مخلوقات کی الگ الگ جنسیں ہیں مثلاً عالم جن، عالم انس، عالم ملائکہ اور عالم وحوش وطیور وغیرہ۔ان تمام مخلوقات کی ضرورتیں ایک دوسرے سے قطعاً مختلف ہیں لیکن ''رب العالمین'' سب کی ضروریات، ان کے احوال وظروف اور طبائع اور اجسام کے مطابق مہیا کرتا ہے۔

معبودیت:

اگر اس کائناتی نظام کو چلانے والے کئی معبود ہوتے تو یقیناً اُن کے درمیان اختلاف ہوتا اور نظامِ کائنات مختلف افکار ونظریات کے تحت نہ صرف بدلتا رہتا بلکہ یہ کائنات تباہ و برباد ہو جاتی اور اس کائنات میں جو نظم وضبط اور ترتیب کار فرما نظر آتی ہے وہ نہ ہوتی۔

قرآنِ مجید میں ارشاد ہے:

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (الانبیاء:22)

ترجمہ: '' اگر ان دونوں (یعنی زمین وآسمان) میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود ہوتا تو ان دونوں میں فساد برپا ہو جاتا''۔

اللہ تعالیٰ ہمارا معبود ہے اور اس کی ذات رحمٰن ورحیم ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ (سورۃ البقرۃ:۱۶۳)

''اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے کوئی معبود نہیں سوائے اس کے (وہ) رحمان ہے رحیم ہے''۔

اللہ تعالیٰ کائنات کا خالق ہے۔ہر چیز اس کی پیدا کردہ ہے۔وہ تنہا معبود ہے، ساری کائنات اس کی عبادت گزار ہے۔

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ (بنی اسرائیل:۴۴)

''ساتوں آسمان اور زمین اور وہ سب جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اس کی تسبیح کرتے ہیں''۔

سب اس کے فرمانبردار ہیں۔جب کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور فرمانبردار ہے تو ایسی کوئی مخلوق معبودیت میں اس کے ساتھ شریک کیونکر ہو سکتی ہے۔خدا تو صرف وہی ہو سکتا ہے جو سب کا خالق اور مالک ہے جس کی قدرت مطلق وغیر محدود ہو، وہ جو چاہے اسے کرنے کی طاقت رکھتا ہو، جس کا علم سب کو محیط ہو۔ایسی صفات کا مالک تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔وہ جو چاہتا ہے کر لیتا ہے۔

وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (سورۃ المومن:۶۸)

''جب وہ کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے ہو جا سو وہ ہو جاتا ہے''۔

رحمانیت:

اللہ تعالیٰ رحمٰن اور رحیم ہے، تمام مخلوقات اس کی بے پایاں رحمت سے بہرہ اندوز ہو رہی ہیں۔اس کی رحمت ہر چیز کو شامل ہے۔اتنی وسیع وعریض کائنات کو تخلیق کرنے کے بعد وہ اس کی تدبیر بھی کر رہا ہے۔ایک نظام کے تحت اسے چلا رہا ہے یہ بھی اس کی رحمت ہے۔انسان پر تو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (ابراہیم:34)

''اور جو کچھ تم نے مانگا تمہیں عطا کیا اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو گننے لگو تو شمار نہ کر سکو گے''۔

اسی طرح سورۃ الرحمٰن میں اللہ تعالیٰ بار بار ارشاد فرماتا ہے کہ:

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (الرحمٰن:13)

''تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔''

اللہ تعالیٰ بے انتہا رحمٰن اور رحیم ہے۔اس کی رحمتِ بے پایاں کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔وہ اس قدر رحم کرنے والا ہے۔اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہم روزانہ اتنے زیادہ گناہ کرتے ہیں مگر وہ پھر بھی ہمارے گناہوں سے درگزر کر کے ہمیں رزق دے رہا ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی اس وسیع اور بے پایاں رحمت کو ایک مثال کے ذریعے اس طرح واضح

CS CamScanner

کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں کچھ جنگی قیدی پیش کیے گئے۔ ان میں ایک عورت بھی تھی جس کا ایک شیر خوار بچہ چھوٹ گیا تھا اور وہ ممتا کی ماری ایسی بے چین تھی کہ جس بچے کو بھی دیکھتی اسے پیار کرنے لگتی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ہم سے پوچھا کہ کیا تم لوگ یہ توقع کر سکتے ہو کہ یہ ماں خود اپنے ہاتھوں سے اپنے بچے کو آگ میں پھینک دے گی؟ ہم نے عرض کیا کہ ہرگز نہیں، خود پھینکنا تو در کنار، اگر اسے گرتا ہوا دیکھے گی تو اسے بچانے کی حتی المقدور کوشش کرے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ کا رحم اپنے بندوں کے لیے اس سے بہت زیادہ ہے جو یہ عورت اپنے بچے کے لیے اپنے دل میں رکھتی ہے۔'' (صحیح بخاری 5999، مسلم: 7153)

ہمیں چاہیئے کہ ہم ہر وقت اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور نوازشوں کا شکر ادا کرتے رہیں تا کہ وہ ہم پر پہلے سے بھی زیادہ مہربان اور رحم کرنے والا ہو جائے۔

2: نبوّت ورسالت

نبوت ورسالت کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم:

اسلام کے عقائد میں توحید کے بعد ''رسالت'' کا درجہ ہے۔ ''رسالت'' کے لفظی معنی ہیں پیغام پہنچانا۔ رسول کے لفظی معنی ہیں پیامبر۔ دینی اصطلاح میں رسالت کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک پہنچانا اور رسول کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے والا۔

نبی کا لفظی مطلب ہے خبر دینے والا اور نبوّت کا لفظی معنی ہے خبر دینا۔ ''نبی اور رسول'' اور '' نبوّت اور رسالت'' ہم معنی اصطلاحیں ہیں۔ صرف اتنا فرق ہے کہ رسول صاحبِ شریعت و کتاب ہوتا ہے جبکہ نبی کے لیے صاحبِ شریعت و کتاب ہونا لازمی نہیں۔ ہر رسول اللہ تعالیٰ کا نبی ہوتا ہے جبکہ ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔

رسول صرف اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک نہیں پہنچاتا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر خود عمل کر کے دکھاتا بھی ہے اور لوگوں کی سیرت کی تعمیر و تزکیہ بھی کرتا ہے۔ رسالت کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر آ کر ختم ہو گیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں آئے گا۔ اس کو عقیدہ ختم نبوت کہا جاتا ہے۔

انبیاء اور رُسُل پر ایمان:

انبیاء کی ضرورت اور اہمیت کے حوالے سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ جس طرح پانی، ہوا اور غذا انسانی زندگی کے لیے ضروری ہیں۔ اسی طرح انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیم و تبلیغ انسانی زندگی کو کامیابی اور کامرانی سے ہمکنار کرنے کے لیے بنیادی اہمیت کی

حامل ہے۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے تمام انبیاء اور رسل پر ایمان لانا ضروری ہے۔ امت محمدیہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ احسان فرمایا کہ آپؐ پر نبوت و رسالت کو ختم کر کے اس کو تمام انبیاء و رُسل پر ایمان لانے کی سعادت عطا کر دی جو گزشتہ امتوں کو حاصل نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِكُمۡ وَلٰكِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (الاحزاب:۴۰)

ترجمہ: محمد تمہارے مَردوں میں سے کسی کے باپ نہیں بلکہ اللہ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں میں سے آخری نبی ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ''ختم نبوت'' کا اعلان فرما کر اس بات کو واضح کر دیا کہ انبیاء کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے اور آپؐ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی بن کر آئے ہیں۔ ارشادِ نبوی ہے:

اَنَا آخِرُ الۡاَنۡبِيَآءِ وَاَنۡتُمۡ آخِرُ الۡاُمَمِ

''میں تمام نبیوں میں سے آخری نبی ہوں اور تم تمام امتوں میں سے آخری امت ہو۔''

انبیاء علیہم السلام کی صفات:

قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کی کئی صفات بیان کی گئیں ہیں۔ ان میں سے نمایاں صفات درج ذیل ہیں۔

بشریت:

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رہنمائی کے لیے ہمیشہ کسی انسان کو ہی پیغمبر بنا کر بھیجا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِىۡۤ اِلَيۡهِمۡ (یوسف:۱۰۹)

ترجمہ: اور ہم نے آپ سے پہلے آدمیوں کو ہی رسول بنا کر بھیجا جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ يُوۡحٰۤى اِلَىَّ (الکھف:۱۱۰)

ترجمہ: اے پیغمبر! کہہ دیجیے میں تمہاری طرح انسان ہوں البتہ میری طرف وحی کی جاتی ہے

انبیاء کرام علیہم السلام پر منکرین کی طرف سے یہ اعتراض کیا جاتا رہا کہ یہ تو ہماری طرح انسان ہیں۔ ہماری طرف فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا۔ ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلۡ لَّوۡ كَانَ فِى الۡاَرۡضِ مَلٰۤٮِٕكَةٌ يَّمۡشُوۡنَ مُطۡمَٮِٕنِّيۡنَ لَنَزَّلۡنَا عَلَيۡهِمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَـكًا رَّسُوۡلًا ۝ (بنی اسرائیل:۹۵)

ترجمہ: اے پیغمبر! فرما دیجیے اگر زمین پر فرشتے چلتے پھرتے اور آباد ہوتے تو ہم ضرور ان پر آسمان سے کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے۔

انبیاء کرام علیہم السلام انسانوں میں ممتاز ہی اس وجہ سے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو وحی اور معجزات سے نوازا اور نبوت کے منصب پر فائز کیا۔

وہبیت:

وہبیت کے معنی یہ ہیں کہ رسالت کوئی اکتسابی شے نہیں جو محنت وجستجو سے مل جائے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص عطیہ اور انعام ہے اور اسی شخص کو ملتا ہے جسے خداوند کریم مرحمت فرماتا ہے۔ اس کے ملنے میں انسانی کوشش، ارادے اور جستجو کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔ تاہم انبیاء کرام علیہم السلام کے حالاتِ زندگی سے ہمیں پتا چلتا ہے کہ یہ اہم منصب جن لوگوں کو عطا کیا گیا وہ سب نیکی، تقویٰ، ذہانت اور عزم وہمت جیسی بلند صفات کے مالک تھے۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ (سورۃ الجمعہ:۴)

"یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے عطا کردے"۔

رسالت کے لیے انتخاب ایسے افراد کا کیا گیا تھا جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اپنی صلاحیتوں اور قوتوں کے اعتبار سے اس عظیم مقصد کے لیے موزوں ترین تھے چنانچہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے مخالفین نے آپ کے نبی بنائے جانے پر اعتراض کیا اور کہا کہ اگر کسی کو نبوت ملنا تھی تو آپ کی نسبت ہم اس کے زیادہ حقدار تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسٰلَتَهٗ ؕ (سورۃ الانعام:۱۲۴)

"اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ اسے اپنی پیغمبری کس کے سپرد کرنی چاہیئے"۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہیں:

اللہ تعالیٰ کے پیغمبر دین اور شریعت کے نام پر جو کچھ بھی انسانوں کے سامنے بیان فرماتے ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتا ہے۔ پیغمبر ہدایتِ ربانی کے تابع اور اللہ تعالیٰ کے ترجمان ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ (سورۃ النجم:۳-۴)

"وہ اپنی خواہشِ نفسانی سے کلام نہیں کرتا بلکہ وہی کہتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہا جاتا ہے"۔

اطاعتِ انبیاء لازم ہے:

انبیاء کی اطاعت وپیروی ضروری ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ (سورۃ النسا:۶۴)

"ہم نے ہر رسول کو اس لیے بھیجا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے"۔

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ۝ (سورۃ الفاطر:۲۴)

"کوئی بھی ایسی قوم نہیں جس میں کوئی خبردار کرنے والا (رسول) نہ آیا ہو"۔

نبی چونکہ اللہ تعالیٰ کے احکامات وہدایات پہنچاتا ہے اس لیے اس کی اطاعت دراصل اللہ تعالیٰ کی ہی اطاعت ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ (سورۃ النساء:۸۰)

"جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی"۔

اسی طرح پیغمبر کتاب اللہ کا شارح ہوتا ہے، امت کا معلم ومربی ہوتا ہے، امت کے لیے نمونہ تقلید ہوتا ہے، قانون ساز قاضی ہوتا ہے، اسی لیے انبیاء کرام علیہم السلام کی پیروی کرنے اور ان احکامات کے مطابق عمل کرنے سے دنیوی اور اخروی زندگی کی کامیابی یقینی ہوتی ہے یعنی دنیا وآخرت میں کامیابی کا انحصار انبیاء کرام علیہم السلام کی پیروی کرنے پر ہی منحصر ہے۔

رفعتِ شان:

رسول کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے معجزات عطا کیے جاتے ہیں۔ اگرچہ رسول بشر ہی ہوتا ہے لیکن پختہ کردار، پرکشش اور ممتاز اوصافِ حمیدہ کا مالک ہوتا ہے۔ لوگوں کا بے حد خیر خواہ ہوتا ہے۔ بڑا صاحبِ عزیمت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے جب منصبِ رسالت پر سرفراز فرماتا ہے، اس کے بعد وہ اپنے مشن کو انجام دینے کے لیے اپنی جان تک کی قربانی سے دریغ نہیں کرتا۔ وہ صبر واستقامت میں بے مثال ہوتا ہے۔ بڑی سے بڑی مشکلات اس کے پائے استقلال کو ڈگمگا نہیں سکتیں۔

رسول کی بصیرت وفراست بھی غیر معمولی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اسے ان چیزوں کا بھی علم ہوتا ہے جو عام انسانوں سے اوجھل ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس سے ایسے کام سرزد ہوتے ہیں جو عام لوگوں کو ورطہ حیرت میں ڈال دیتے ہیں اور جن کے کرنے سے عام انسان عاجز ہوتے ہیں (یعنی معجزات)۔ رسول کا منصب بہت کٹھن اور عظیم ہوتا ہے۔ اسی کی مناسبت سے اللہ تعالیٰ رسول کو اعلیٰ صلاحیتیں ودیعت کرتا ہے۔

عصمتِ انبیاء:

ہر نبی اور رسول ولادت سے لے کر وفات تک گناہوں اور خطاؤں سے پاک ہوتا ہے اس کی ساری زندگی اللہ تعالیٰ کی حفاظت ونگہداشت میں گزرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء اس لیے بھیجے ہیں کہ لوگ ہر حالت میں ان کی اطاعت کریں یعنی انبیاء کی غیر مشروط اطاعت کا حکم دیا، غیر مشروط کا مطلب یہ ہے کہ اطاعت کے لیے کسی قسم کی شرط یا قید نہیں بلکہ ہر وقت اور ہر حالت میں ان کی

اطاعت کی جائے۔غیر مشروط اطاعت صرف اس کی کی جا سکتی ہے جس سے کسی غلطی اور گناہ کا امکان نہ ہو، اس لیے انبیاء کو ہر طرح کے گناہوں اور غلطیوں سے پاک رکھا گیا ہے، دوسرے الفاظ میں نبی معصوم ہوتا ہے، اس سے دینی امور میں نہ فکر و اجتہاد کی غلطیاں سرزد ہوتی ہیں نہ اخلاق و اعمال کی لغزشیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کی فکر و بصیرت حد درجہ کامل ہوتی ہے اور اس کی اخلاقی قوت بھی، ایک طرف تو وہ احکامِ الٰہی کا منشاء سمجھنے اور ان سے اپنے اجتہاد کے ذریعے مزید احکام نکالنے کی بہترین صلاحیتیں رکھتا ہے، دوسری طرف اسے اپنے نفس پر پورا پورا قابو حاصل ہوتا ہے۔اس کی اخلاقی حس، اس کا خوفِ خدا اور اس کا اندیشۂ آخرت اس درجہ ترقّی یافتہ ہوتا ہے کہ گناہ کے محرکات سر اٹھا ہی نہیں پاتے اور ساتھ ہی خداوندِ کریم کی خصوصی نگرانی و حفاظت انہیں فکر و اجتہاد کی غلطیوں اور اخلاق و اعمال کی کوتاہیوں سے محفوظ رکھتی ہے۔وحی اور الہام کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ہدایات انہیں مسلسل وصول ہوتی رہتی ہیں۔نبی ایسا انسانِ کامل ہوتا ہے جو بے حد روحانی قوت کا حامل ہوتا ہے اور ہر قسم کی برائی سے خود کو محفوظ رکھتا ہے۔

3 : ملائکہ

ملائکہ کا لفظ جمع ہے اس کی واحد مَلَک ہے جس کے لغوی معنی قاصد اور پیغام رساں کے ہیں، فرشتوں کے لیے قرآن مجید میں ملائکہ کے علاوہ "رسول" کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے، رسول کے معنی بھی قاصد کے ہیں۔فرشتوں کو ملائکہ اور رسول یعنی قاصد اس لیے کہا جاتا ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان پیغام رسانی کا کام کرتے ہیں۔

ملائکہ کی حقیقت اور نظامِ کائنات میں بحیثیت کارکنانِ قدرت ان کا کردار:

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ عرب فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے، قرآن مجید نے ان کے اس باطل عقیدے کی اصلاح کی اور بتایا کہ فرشتے بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور ان کے پاس کسی قسم کا اختیار یا اقتدار نہیں بلکہ یہ ان کا فرض ہے کہ اس کائنات کے نظام کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اس کے مقررہ قوانین کے تحت چلائیں، فرشتوں کی یہ مجال نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ذرہ بھر بھی سرتابی کر سکیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ۝ (التحریم:٦)

"وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت نہیں کرتے اور وہ کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے"۔

ملائکہ کی تعداد ہمیں معلوم نہیں ہے۔رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کئی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بے حساب ہیں، آسمانوں پر بالشت بھر جگہ ایسی نہیں جہاں کوئی فرشتہ نہ ہو، ہر انسان کے ساتھ کئی فرشتے ہوتے ہیں ان میں سے کچھ اس کی حفاظت

پر مامور ہوتے ہیں کچھ انسان کے اچھے اور برے اعمال لکھتے رہتے ہیں، اس طرح دنیا کے ہر کام کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو باطنی اور روحانی انتظامی مشینری قائم کی ہے، وہ فرشتوں پر مشتمل ہے۔

ملائکہ پر ایمان:

جس طرح توحید اور رسالت پر ایمان لانے کا حکم ہے اسی طرح ملائکہ پر بھی ایمان لانے کا حکم ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ (البقرة:١٧٧)

"لیکن اصل نیکی تو یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور سب کتابوں پر اور سب نبیوں پر"۔

ملائکہ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم انہیں اللہ تعالیٰ کی ایک نوری مخلوق مانیں جو ہر کام اس طریقے سے سرانجام دیتے ہیں جیسے انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوتا ہے، وہ اپنے طور پر کسی کو کوئی نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذمے مختلف کام لگائے ہوئے ہیں جس کو وہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق پورے کرتے ہیں، ان کی حالت یہ ہے کہ:

يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ۝ (النحل:٥٠)

"وہ اپنے رب سے جو ان کے اوپر ہے، ڈرتے ہیں اور جو انہیں حکم ملتا ہے وہی کرتے ہیں"۔

فرشتوں پر ایمان دراصل عقیدۂ توحید کی تکمیل ہے۔قرآن و حدیث نے فرشتوں کے بارے میں لوگوں کے غلط عقیدوں کی اصلاح کر کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ فرشتوں کو شریک ٹھہرانے کے عقیدے کی تردید کی اور فرشتوں کا اصل مقام بتایا ہے۔

انسان مادی زندگی اور اس کے فوائد و نقصانات پر بہت زیادہ یقین رکھتا ہے اور جو مخلوق نظر نہ آئے اس کو ماننے کے لیے آسانی سے رضامند نہیں ہوتا۔اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی شکل میں نوری مخلوق پیدا فرما کر اپنی قدرت سے ہمیں آگاہ کیا اور پوری کائنات کا نظام ان کے ذمہ لگا کر ہمیں یہ بتایا کہ ہر نظام چلانے کا ایک طریقہ ہوتا ہے اور اس نوری مخلوق پر ایمان لانے کا حکم دے کر ہمیں اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر اعتماد کر کے کچھ ایسی چیزوں کو مان لینے کی تربیت دی ہے جو ہمیں نظر نہیں آتیں۔

اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے جن کا ذکر اکثر آتا ہے، ان کی تعداد چار ہے اور ان کا مختصر تعارف درج ذیل ہے

حضرت جبرائیل علیہ السلام:

حضرت جبرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا سب سے مقرب فرشتہ ہے۔یہ اللہ تعالیٰ کے پیغامات انبیاء اور رُسُل تک پہنچانے پر مامور ہے۔ شبِ معراج میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہمراہ تھے۔ان کا مقام بہت بلند ہے۔حضرت جبرائیل علیہ السلام کا

ذکر حدیث اور سیرت کی کتابوں میں کثرت سے آتا ہے۔قرآن مجید کے نزول کے پورے عرصہ میں جو تقریباً تئیس سال کی مدت ہے، حضرت جبرائیل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے پاس شب و روز، سفر و حضر ہر حالت میں حاضر ہوتے رہے۔کبھی اپنی اصل شکل میں آتے، کبھی انسانی شکل میں۔کبھی قرآنِ حکیم کی آیات اور سورتیں لے کر آتے اور کبھی کوئی اور پیغام۔

حضرت میکائیل علیہ السلام:

اس کائنات میں نظم و نسق چلانے کا کام ان کی ذمہ داری ہے۔بارش برسانے اور لوگوں تک رزق پہنچانے کا کام ان کے ذمہ ہے۔

حضرت عزرائیل علیہ السلام:

اللہ تعالیٰ کا یہ مقرب فرشتہ ہر انسان کے پاس آتا ہے کیونکہ یہ تمام جانداروں کی ارواح قبض کرتا ہے۔انہیں مَلک الموت (موت کا فرشتہ) بھی کہا جاتا ہے۔

حضرت اسرافیل علیہ السلام:

حضرت اسرافیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے قیامت برپا کرنے کے لیے صور پھونکیں گے۔

4: آخرت / معاد

معنی و مفہوم:

آخرت کا مطلب ہے بعد میں آنے والی۔ہماری عارضی زندگی کو قرآنِ حکیم میں ''الحیٰوۃ الدنیا'' کہا گیا ہے، یعنی قریب ترین زندگی یا صرف اولیٰ کہا گیا ہے، یعنی پہلی یا ابتدائی زندگی۔موت کے بعد کی زندگی کو آخرۃ اور عقبیٰ کہا گیا ہے، عقبیٰ کا معنی ہے پیچھے آنے والی۔

اسلام کا تصورِ آخرت:

اسلام میں آخرت کا نہایت واضح تصور دیا گیا ہے۔قیامت برپا ہوگی، یہ ساری کائنات ٹوٹ پھوٹ جائے گی۔مرے ہوئے تمام انسانوں کو دوبارہ زندگی دے کر اٹھایا جائے گا۔اللہ تعالیٰ کے حضور سب کی پیشی ہوگی۔دنیا میں کیے گئے اعمال کا حساب دینا ہوگا، جس کی نیکیاں زیادہ ہوں گی وہ انعام پائے گا اور جس کے برے اعمال زیادہ ہوں گے وہ سزا پائے گا۔اسلام کے تصورِ آخرت کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

- ★ انسان کی اس ارضی یا دنیوی زندگی کا خاتمہ اصل میں ایک زندگی سے دوسری زندگی میں تبدیلی ہے۔مرنے سے انسان کا صرف جسم فنا ہوتا ہے، اس کی روح فنا نہیں ہوتی۔
- ★ یہ دنیوی زندگی بہت محدود مدت کی اور عارضی ہے، جبکہ اُخروی زندگی دائمی ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ۡ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ۝ (المومن:۳۹)

''اے میری قوم یہ دنیا کی زندگی تو چند روزہ ہے، ہمیشہ کے قیام کی جگہ تو آخرت ہے''۔

ایک اور مقام پر ارشادِ ربانی ہے:

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۭ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝

(العنکبوت:۶۴)

''اور یہ دنیا کی زندگی کچھ نہیں ہے مگر ایک کھیل اور دل کا بہلاوا۔اصل زندگی تو دارِ آخرت ہے، کاش یہ لوگ علم رکھتے''۔

- ★ دنیوی زندگی آخرت کی کھیتی ہے۔یہاں انسان جو کچھ بوئے گا اس کی فصل آخرت میں کاٹے گا۔یعنی یہاں جو عمل بھی کرے گا اس کی سزا یا جزا آخرت میں ملے گی۔
- ★ یقیناً دنیوی زندگی سے آخرت بہتر ہے۔

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝ (الضحیٰ:۴)

''اور یقیناً آخرت تیرے لیے اولیٰ (دنیا) سے بہتر ہے''۔

ایک اور مقام پر دنیا کی زندگی کا آخرت کے ساتھ یوں موازنہ کیا گیا ہے:

وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ۝ (الرعد:۲۶)

''یہ لوگ دنیوی زندگی پر خوش ہیں حالانکہ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں ایک متاعِ قلیل کے سوا کچھ نہیں ہے''۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کا فرمان ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگر دنیا کی اہمیت و قدر مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کافر کو اس دنیا سے پانی کا ایک گھونٹ بھی میسر نہ آتا''۔(ترمذی)

- ★ آخرت میں نجات اور کامیابی کا دارومدار صرف اور صرف ایمان اور عملِ صالح پر ہے۔اس کے سوا وہاں کوئی

چیز کام نہ آئے گی۔ نسل، قرابت داری، دولت اور جاہ و حشمت وغیرہ کوئی چیز بھی کام نہ آئے گی۔

- انسان کے اعمال کو ترازو میں رکھ کر تولا جائے گا۔ ایک طرف نیکیاں اور ایک طرف برائیاں۔ اگر نیکیوں کا پلڑہ بھاری ہوگا تو انعام ملے گا۔ اگر برائیوں کا پلڑہ بھاری ہوگا تو سزا ملے گی۔
- جو شخص انعام کا مستحق قرار پائے گا وہ جنت میں داخل ہوگا اور سزا کے حقدار کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

بعث بعد الموت:

ہر انسان نے مرنے کے بعد زندہ ہونا ہے۔ موت کے بعد کی زندگی کے متعلق قرآن مجید میں مختلف مقامات پر یوں ارشاد ہے۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ۝ (المومنون:۱۱۵)

''کیا تم نے یہ خیال کر لیا کہ ہم نے تمہیں فضول پیدا کیا ہے اور تمہیں کبھی ہماری طرف پلٹنا ہی نہیں؟''۔

وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ؕ (الروم:۲۷)

''وہی ہے جو تخلیق کی ابتداء کرتا ہے، پھر وہی اس کا اعادہ کرے گا اور یہ اس کے لیے آسان تر ہے''۔

قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ۝

قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ۝ (یٰس:۔۷۸۔۷۹)

''انسان کہتا ہے کہ کون ان ہڈیوں کو زندہ کرے گا جب کہ یہ سب بوسیدہ ہو چکی ہوں۔ کہہ دیجیئے کہ وہی ان کو دوبارہ زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ تخلیق کے ہر کام کو خوب جانتا ہے''۔

حشر:

موت انفرادی ہو یا اجتماعی، یہ زندگی کا انجام نہیں ہے، بلکہ ایک اور زندگی کا آغاز ہے۔ ہر انسان ایک طرح کی عبوری نئی زندگی شروع کر دیتا ہے، جسے قرآنِ مجید نے برزخ کہا ہے۔ جب اجتماعی ہلاکت قائم ہو چکے گی تو اس کے بعد سب کے سب انسانوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ اب ایک ایک فرد سے اکیلا اکیلا اس پہلی زندگی میں کیے گئے اعمال کا پورا پورا حساب لیا جائے گا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا
يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ۝

(البقرۃ:۴۸)

''اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی جان کسی جان کے کام نہ آئے گی اور نہ ان سے سفارش قبول کی جائے گی اور نہ ان سے

معاوضہ لیا جائے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی''۔

انسان کی کوئی نیکی یا بدی چھپی نہیں رہ جائے گی۔ قرآن مجید نے یومِ حشر کی جو تفصیلات بیان کی ہیں وہ لرزا دینے والی ہیں۔ اس دن کسی طاقت کا استعمال، سفارش، بہانہ یا فدیہ کوئی چیز کام نہ آسکے گی۔ معافی کا وقت بھی گزر چکا ہوگا۔ اس کے ساتھ اس دنیا میں بظاہر ضائع ہو جانے والی نیکیوں کے مسرت افزاء نتائج نیک لوگوں کے سامنے آئیں گے۔ قرآن مجید کی صرف دو آیات اس حساب کتاب کی کیفیت سمجھانے کے لیے کافی ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ۝

(الزلزال:۷-۸)

''تو جو ایک ذرّہ بھر بھلائی کرے گا، اسے دیکھ لے گا، اور جو ایک ذرّہ بھر برائی کرے گا، اسے دیکھ لے گا''۔

حساب وکتاب:

حساب وکتاب کے نتیجے میں مجموعی طور پر نیک و بد اور اچھے برے انسان الگ الگ کر دیے جائیں گے۔ دونوں قسم کے انسانوں کو ایک ابدی زندگی دی جائے گی جس میں موت نہیں آئے گی مگر زیادہ نیکی کرنے والوں کو نعمتوں سے نوازا جائے گا، جبکہ زیادہ برائی کرنے والوں کو بدترین سزا دی جائے گی۔ اس انعام اور سزا کا ذکر اللہ تعالیٰ نے جنت اور جہنم (دوزخ) کہہ کر کیا ہے۔

- آخرت کے اس حساب وکتاب میں اور اللہ تعالیٰ کی عدالت میں کون سے قانون کے مطابق پرکھی جائے گی؟
- نیکی اور بدی کا معیار کیا ہوگا؟
- گواہ کہاں سے لائے جائیں گے؟
- ہر آدمی کے اعمال کا ریکارڈ کہاں سے لیا جائے گا؟

یہ سب کچھ اس دین اور قانون کے مطابق ہوگا جس کی خبر اس زندگی میں رسولوں کے ذریعے دی گئی تھی اس لیے اس دن کا نام بھی قرآن مجید میں (یوم الدین) آیا ہے یعنی جزا و سزا کا دن یا (دین) نتائج کے ظہور کا دن۔ اس دن توحید، رسالت اور آخرت پر ایمان یا ان کے انکار کے اچھے برے نتائج سامنے آجائیں گے۔ اس دن انبیاء کرام علیہم السلام کی خوشخبری دینے اور ڈرانے کی ایک ایک بات درست ثابت ہوگی۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی عظمت اور ان کی تعلیمات کی صداقت اس دن روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گی۔ ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم اس دن اپنے بلند ترین مرتبے ''مقامِ محمود'' پر جلوہ گر ہوں گے۔

جنت ودوزخ:

جنت اُخروی زندگی میں نیکوکاروں کا مقام ہے اور جہنم ان کا ٹھکانا ہے جن کے برے اعمال نیکیوں کے مقابلے میں زیادہ ہوں گے۔ جنت کی زندگی دائمی ہے۔ جہنم کی زندگی کے بارے میں آیا ہے کہ اہل ایمان اپنے گناہوں کی سزا پا کر آخرکار جہنم سے نجات حاصل کر کے جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ جنت میں انسان کو وہ سب کچھ حاصل ہوگا جس کی اس کے دل میں خواہش پیدا ہوگی۔ ارشادِ ربانی ہے: وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ ۔ (الزخرف: ۷۱)

ترجمہ: ''اور اس جنت میں ہر وہ چیز ہوگی جس کی دل خواہش کریں گے جو آنکھوں کو لذت دینے والی ہوگی''

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ۝ (حٰم السجدہ: ۳۱)

''اور تمہارے لیے جنت میں وہ سب کچھ ہوگا جس کی تمہارے دل خواہش کریں گے اور تمہارے لیے وہ کچھ ہوگا جس کی تمنا کرو گے''۔

قرآنِ حکیم میں متعدد مقامات پر بڑے دلکش انداز میں جنت کا نقشہ کھینچا ہوا ہے۔ گھنے باغات، ان کے نیچے بہتی نہریں، پانی اور شہد کی نہریں، معتدل موسم، ہر قسم کے میوے، چاندی کے برتن، شیشے کے جام، حوریں اور غلمان، یہ سب چیزیں وہاں موجود ہوں گی۔ احادیثِ مبارکہ میں آیا ہے کہ جنتیوں کو سب سے بڑا انعام یہ ملے گا کہ انہیں دیدارِ الٰہی بھی نصیب ہوگا۔

قرآنِ مجید میں جہنم کی ہولناکیوں کو بھی جا بجا بیان کیا گیا ہے۔ جہنم کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔ جہنم کی بھڑکائی ہوئی آگ بدن کو چھوتی ہوئی دل تک پہنچے گی۔ جہنم کی آگ میں نہ وہ جئیں گے اور نہ مریں گے۔ وہ آگ کھال کو ادھیڑنے اور کبھی نہ بجھنے والی ہے۔ جہنم میں لوگوں کو کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جو آنتوں کو کاٹ دے گا اور کھانے کو خاردار جھاڑی کے سوا کچھ نہ ملے گا۔

شفاعت:

قرآن مجید میں اس بات کو کئی مقامات پر بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے روز نہ کوئی اعمال کا سودا ہوگا، نہ دوستی ہوگی اور نہ کوئی سفارش۔ ظالموں کا نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارشی جس کی بات مانی جائے۔ اس روز منافقوں اور کفر کرنے والوں سے کوئی فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ اس روز نفسا نفسی کا عالم ہوگا۔ اس دن آدمی اپنے بھائی سے دور بھاگے گا، اپنی ماں اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے، ہر آدمی کو بس اپنی ہی پڑی ہوگی۔ لہٰذا یہودیوں کا زعمِ باطل تھا کہ ان کے آبا و اجداد ان کی شفاعت کر کے اللہ

تعالیٰ سے انہیں معافی لے دیں گے اور وہ جنت میں چلے جائیں گے۔ اس روز آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم پر ایمان نہ لانے والے کفار کے حق میں نہ کوئی سفارش قبول کی جائے گی، نہ فدیہ لیا جائے گا اور نہ ان کی کوئی مدد کر سکے گا۔ اس لیے انہیں اس دن سے ڈرنا چاہیے، یعنی گھمنڈ ترک کر کے آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم پر ایمان لے آنا چاہیے۔

قیامت کے روز کفار و مشرکین کی کوئی سفارش نہیں کرے گا اور ان کے لیے کسی کی سفارش قبول نہیں کی جائے گی۔ البتہ ان اہل ایمان کے حق میں جن سے خطائیں سرزد ہوئی ہوں، فرشتے، انبیاء، شہداء اور صالحین اللہ تعالیٰ کے حکم اور اجازت سے ان کی سفارش کریں گے۔ یہ بات قرآن مجید کی متعدد آیاتِ مبارکہ سے ظاہر ہے، مثلاً ارشادِ ربانی ہے:

مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۚ (البقرۃ: ۲۵۵)

''کون ہے جو اس کے پاس سفارش کرے گا مگر اس کی اجازت سے''۔

مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ ۚ (سورۃ یونس: ۳)

''کوئی اس کے پاس اس کا اذن حاصل کیے بغیر سفارش نہیں کر سکتا''۔

وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ (الانبیاء: ۲۸)

''اور وہ سفارش نہیں کر سکتے مگر اس کی جس سے اللہ تعالیٰ خوش ہو''۔

لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ۝ (سورۃ مریم: ۸۷)

''وہ کسی کی سفارش کا اختیار نہ رکھیں گے مگر جس نے رحمٰن سے اقرار لیا ہو''۔

ایک حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ کا مخلوق سے عہد یہ ہے کہ وہ ایمان لائیں اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔ (تفسیر القرطبی 379)

متعدد احادیث مبارکہ میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم اپنی امت کے گناہ گاروں کی شفاعت فرمائیں گے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اجازت حاصل ہوگی کہ آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم اللہ تعالیٰ سے سفارش فرمائیں اور اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی سفارش کو قبول فرمائے گا۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کو ''شفیع المذنبین'' کہا جاتا ہے۔

CS CamScanner

مشق

سوال نمبرا: درج ذیل سوالات کے جواب تفصیل سے دیں۔

الف۔ اللہ تعالیٰ کی صفات قرآنِ مجید کی روشنی میں بیان کریں۔

ب۔ سورۂ اخلاص توحیدِ الٰہی کا بہت بڑا ثبوت ہے۔ وضاحت کریں۔

ج۔ نبوت ورسالت کا مفہوم بیان کریں نیز یہ بتایئے کہ منصب رسالت کے لیے انسانوں کو ہی کیوں منتخب کیا گیا؟

د۔ فرشتوں پر ایمان لانا کیوں ضروری ہے؟

ہ۔ اسلام مرنے کے بعد والی زندگی کے بارے میں ہماری کیا رہنمائی کرتا ہے؟ وضاحت کریں۔

و۔ قیامت کے دن شفاعت کے تصور پر بحث کریں۔

سوال نمبر۲: درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں۔

الف۔ ایمان باللہ سے کیا مراد ہے؟

ب۔ رسول کے لغوی معنی کیا ہیں؟

ج۔ نبی اور رسول میں کیا فرق ہے؟

د۔ معجزات سے کیا مراد ہے؟

ہ۔ اللہ تعالیٰ نے کن لوگوں کو اپنا نبی منتخب کیا؟

و۔ فرشتوں یا جنوں کو نبی کیوں نہ بنایا گیا؟

ز۔ نبی کو معصوم کیوں کہا جاتا ہے؟

ح۔ ملائکہ کو قاصد کس وجہ سے کہا جاتا ہے؟

ط۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام کے ذمہ کیا کام ہے؟

ی۔ دنیا کی زندگی کو کیا کہا گیا ہے؟

ک۔ جہنم کا ایندھن کن کو قرار دیا گیا ہے؟

سوال نمبر۳: درج ذیل سوالات کے مناسب ترین جواب کا انتخاب کریں۔

الف۔ شَفِیْعُ الْمُذْنِبِیْن کا مطلب ہے۔

i۔ جہانوں کے لیے رحمت — ii۔ آخری نبی

iii۔ گنہگاروں کا سفارشی — iv۔ یتیموں کا والی

ب۔ جنتیوں کو سب سے بڑا انعام کیا ملے گا؟

i۔ حوریں اور غلمان — ii۔ دودھ اور شہد کی نہریں

iii۔ باغات اور پھل — iv۔ دیدارِ الٰہی

ج۔ مقامِ محمود کس کی فضیلت ہے؟

i۔ حضرت آدم علیہ السلام — ii۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

iii۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام — iv۔ میکائیل علیہ السلام

د۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس دنیا کی اہمیت کس چیز کے برابر ہے؟

i۔ کانٹا — ii۔ مچھر کے پر — iii۔ کنکری — iv۔ مکھی

ہ۔ کس فرشتے کا نام سیرت اور حدیث کی کتابوں میں کثرت سے ملتا ہے؟

i۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام — ii۔ حضرت میکائیل علیہ السلام

iii۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام — iv۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام

و۔ نبی کے لفظی معنی ہیں؟

i۔ پیغام پہنچانے والا — ii۔ خوشخبری دینے والا

iii۔ رہنمائی کرنے والا — iv۔ خبر دینے والا

ہ۔ ''لم یتّخذ ولدا'' کا کیا مفہوم ہے؟

i۔ اس کی کوئی اولاد نہیں — ii۔ اس کا کوئی باپ نہیں

iii۔ اس کا کوئی ہمسر نہیں — iv۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

سرگرمی: طلبہ/طالبات کو گروپوں میں تقسیم کر کے ایک گروپ اسلام کے بنیادی عقائد کا چارٹ بنا کر پیش کریں اور دوسرا گروپ چار مشہور فرشتوں کے نام وکام کا چارٹ بنا کر پیش کریں۔

باب دوم

عبادات

تدریسی مقاصد

اس سبق کے پڑھنے کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

وہ عبادات کا وسیع تر مفہوم سمجھتے ہوں اور اس کی مختلف صورتوں مثلاً نماز، روزہ، انفاق وزکوٰۃ وعشر کی عبادتی نیز معاشرتی اہمیت سے آگاہ ہوں اور انہیں اپنی زندگی کا حصہ بنا سکیں۔

قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ کائنات کی تمام اشیاء انسان کے لیے پیدا کی گئی ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ خود انسان کس مقصد کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ قرآن کریم اس کا جواب یوں دیتا ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ (سورۃ الذاریات آیت : ۵۶)

ترجمہ: ہم نے جن وانس کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا۔

انسان کو دنیا میں حکمرانی کرنے، مال ودولت کمانے، علوم وفنون میں مہارت حاصل کرنے اور دنیا کی تمام نعمتوں سے فائدہ اٹھانے اور کائنات کی تمام اشیاء کو کام میں لانے کی اجازت ہے لیکن اس کے ساتھ ہی اس کو یہ بھی حکم ہے کہ وہ اس خالق کائنات کے سامنے گردن جھکائے اور اس کی نعمتوں کا عملی شکر بھی ادا کرے۔ ورنہ کھانے پینے اور رہنے سہنے میں انسان اور حیوان دونوں شریک ہیں۔ درحقیقت انسان کا کمال روحانیت کے بغیر ناممکن ہے اور روحانیت کا ارتقاء عبادت سے ہی ہوتا ہے۔ جس طرح جسم مادی اشیاء سے پرورش پاتا ہے اسی طرح روح عبادت سے تربیت وتقویت حاصل کرتی ہے۔

عقائد وایمانیات سے اللہ تعالیٰ کی پہچان ہوتی ہے تو عبادت سے اللہ تعالیٰ کی قربت اور رضامندی حاصل ہوتی ہے اور اس سے بندے اور معبود حقیقی کے درمیان ربط وتعلق کا رشتہ مضبوط ہوتا ہے۔

عبادت کا مفہوم:

عبادت دراصل بندگی کو کہتے ہیں۔ عبد کے معنی ہیں بندہ، عابد بندگی کرنے والا اور معبود وہ ہستی ہے جس کی بندگی کی جائے۔ عبد اور بندہ اپنے خالق ومعبود کی خوشنودی کے لیے جذبہ اطاعت میں جو کچھ کرتا ہے وہ عبادت ہے، اس لیے ایک مسلمان اپنی نشست وبرخاست، لین دین اور آپس کے تعلقات میں جو کام بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت وخوشنودی کے جذبے سے کرے یا اس جذبے کے تحت کسی بُرے کام کو چھوڑ دے تو یہ اس کی عبادت شمار ہوگی اس سے معلوم ہوا کہ ایک مسلمان کی زندگی تمام تر عبادت ہے یہاں تک کہ اگر اہل وعیال کی خدمت اللہ تعالیٰ کی اطاعت وخوشنودی کے جذبے کے تحت کی جائے تو یہ بھی عبادت ہے۔

اس تشریح سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ''عبادت'' کا اساسی مفہوم اللہ تعالیٰ کی بالادستی وبرتری تسلیم کرکے اس کے مقابلے میں سرتابی ومزاحمت چھوڑ کر اپنی آزادی وخود مختاری سے دست بردار ہو جانا ہے، لہٰذا اس لفظ سے اولین تصور غلامی وبندگی کا ابھرتا ہے، پھر چونکہ غلام کا اصلی کام اپنے آقا ومالک کی اطاعت وفرمانبرداری ہے اس لیے لازماً اس کے ساتھ اطاعت کا تصور بھی پیدا ہوتا ہے۔

اسلامی عبادت کی خصوصیات

1) اسلامی عبادات کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ خالص اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص رہتی ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی پرستش کا ادنیٰ شائبہ بھی نہیں ہوتا۔ اس لیے اسلام میں بادشاہ، والدین اور دوسرے بزرگوں کے سامنے جھکنا رکوع کرنا، ان کے نام پر قربانی دینا اور وہ تمام رسمی آداب ممنوع ہیں جن سے غیر اللہ کی پرستش کی بو آتی ہے۔

2) اسلام نے عبادت کے لیے ایسی خارجی شرط کوئی نہیں لگائی کہ جس کا اصل عبادت واطاعت سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لیے یہاں عبادت گاہوں (مسجدوں) میں عبادت کے لیے شمع روشن کرنے، اگربتی جلانے کی ضرورت نہیں نہ عبادت کے وقت تصویروں کے سامنے رکھنے کی اجازت ہے اور نہ کسی خاص رنگ یا خاص قسم کے لباس پہننے کی پابندی ہے۔

3) اسلام میں دوسرے مذاہب کی طرح مذہبی پیشواؤں کو اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان واسطہ نہیں بنایا گیا، ہر شخص براہ راست اپنے رب کی بندگی وعبادت کرسکتا ہے اور ہر پاک جگہ پر عبادت ادا کرسکتا ہے۔

4) اسلامی عبادات میں افراط و تفریط کی کوئی شکل موجود نہیں۔ ان میں اعتدال و میانہ روی ہے، ان میں نہ تو بدھ مت اور عیسائیت کی طرح نفس کشی، ترکِ دنیا اور سخت قسم کی ریاضتیں ہیں اور نہ مشرکانہ طرز کی رسمیں۔ اسلام سے پہلے لوگوں نے ایسے طریقے ایجاد کیے تھے جو منشاء الٰہی کے خلاف تھے۔ بعض نے آسمانوں کی طرف ہاتھ پھیلائے اور کھڑے کھڑے ان کے بازو سوکھ گئے، بعض نے سجدے میں یا رکوع میں اتنا غلو کیا کہ زندگی بھر اسی حالت میں رہے۔ روزے رکھنے پر آئے تو اتنے رکھے کہ جسم سوکھ کر کانٹا بن گیا۔ اس کی واضح مثال مہاتما بدھ کے نروان حاصل کرنے کے طریقے اور مسیحی راہبوں کی رہبانیت ہے۔

5) اسلامی عبادات کا یہ کمال ہے کہ وہ انسانوں کو حیوانیت سے نکال کر زیورِ انسانیت سے آراستہ کرتی ہیں، اسلامی عبادات کا مقصد جہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت ہے وہاں تزکیہ نفس بھی ہے اگر اسلامی عبادات کو صحیح طریقے سے ادا کیا جائے تو جہاں مومن اس سے کامل بنتا ہے وہاں ایک مثالی انسان بن کر نکلتا ہے جس پر معاشرہ فخر کر سکتا ہے۔
الغرض زندگی کو اطاعتِ الٰہی کے جذبے کے تحت بسر کرنے کے لیے شریعت نے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج چار عبادتیں ایسی مقرر کی ہیں جن کی وجہ سے انسانی اعمال کے تمام شعبے منظم ہو کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے تحت آ جاتے ہیں۔
چنانچہ نماز سے ان اعمال کی تربیت مقصود ہے جن کا تعلق تنہا بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہوتا ہے، زکوٰۃ سے ان اعمال کی مشق ہوتی ہے جن کا تعلق دوسرے انسانوں کے فائدے اور آرام سے ہے۔ روزے سے اللہ کی راہ میں جسمانی اور جانی قربانی دینے اور نفس کو مادی خواہشات سے پاک رکھنے کی تربیت حاصل ہوتی ہے۔ جب کہ حج کے ذریعے جہاں دنیائے اسلام کا آپس میں اخوت کا رشتہ قائم کرنا مقصود ہے وہاں نفس کی اصلاح بھی مطلوب ہے۔

1. نماز

ایمان کے بعد اسلام کا اہم ترین عمل:

توحید اور رسالت کی شہادت کے بعد اسلام کا اہم ترین رکن نماز ہے۔ دین میں ایمان کے بعد جو مقام نماز کا ہے وہ کسی بھی دوسرے عمل کا نہیں ایمان لانے کے بعد مومن سے اولین مطالبہ نماز قائم کرنے کا ہے۔ قرآن وحدیث میں ایمان کے بعد نماز ہی کا ذکر ملتا ہے مثلاً

ترجمہ: (1) متقین وہ لوگ ہیں جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں (سورۃ البقرہ آیت 3:)
(2) اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کیے اور نماز قائم کی اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے لئے اجر ہے۔ (سورۃ البقرہ آیت 277:)

نماز ایمان کا عملی ظہور ہے:

نماز ایمان کا اولین مظہر ہے۔ یعنی دل میں اگر ایمان موجود ہو تو یہ ایمان ظاہر میں سب سے پہلے نماز کی شکل اختیار کرتا ہے۔ ایمان ایک باطنی حقیقت اور قلبی معاملہ ہے۔ نماز اس کا عملی پیکر اور ظاہر وجود ہے، گویا کہ ایمان اور نماز لازم و ملزم ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ دل میں ایمان ہو مگر سر میں رکوع اور سجدہ کی تڑپ نہ ہو۔ اس لیے جہاں ایمان ہوگا وہاں لازم نماز بھی ہوگی۔ نماز سے محرومی اس بات کا ثبوت ہے کہ دل میں تکذیب و انکار، دنیا پرستی اور تکبر بھرا ہوا ہے۔ ایمان نہیں ہے۔
قرآن وحدیث میں ترک نماز کو کفر و شرک یعنی عدم ایمان سے تعبیر کیا گیا ہے اور نماز کے ادا کرنے میں سستی کو منافقت کی علامت بتایا گیا ہے۔

اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ (سورۃ الروم : آیت ۳۱)

ترجمہ: اور نماز قائم کرو اور مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ
ترجمہ: پھر بڑی تباہی ان نمازیوں کے لیے جو نماز سے غفلت برتتے ہیں۔ (سورۃ الماعون: آیت ۴ تا ۶)
ترجمہ: اور جب یہ منافق نماز کے لیے اٹھتے ہیں تو سست اور کاہل ہو کر اٹھتے ہیں۔ (سورۃ النساء: آیت ۱۴۲)

نماز ارشادات نبوی کی روشنی میں

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بندے اور کفر کے درمیان نماز چھوڑ دینے کا ہی فاصلہ ہے۔ (رواہ مسلم 17/1:، اصح المطابع)
حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے اور اسلام قبول نہ کرنے والوں کے درمیان نماز کا عہد ہے پس جس نے نماز کو چھوڑا وہ کافر ہوا۔ (مشکوٰۃ)
پس جو کوئی نماز چھوڑ دے تو گویا اُس نے اسلام کی روش چھوڑ کر کافرانہ روش اختیار کی۔ عہد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عہد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مسلمانوں اور کافروں کے درمیان تمیز کرنے والی چیز نماز تھی۔ اس دور میں یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ کوئی شخص مسلمان بھی کہلائے اور نماز نہ پڑھے۔ چنانچہ جو نماز نہ پڑھتا اس کے بارے میں سمجھ لیا جاتا تھا کہ وہ مسلمان نہیں رہا۔

نماز کی اہمیت:

نماز کافر اور مسلمان کے درمیان فرق کرنے والی ہے۔ یہ ہدایت اور تقویٰ کی بنیاد ہے۔ نماز نجات کا ذریعہ ہے۔ نماز ایمان کی محافظ ہے۔ یہ انسان کو بُری عادات سے باز رکھتی ہے۔ نمازی کی حفاظت خود نماز کرتی ہے، بشرطیکہ پابندی سے پڑھی جائے۔

قیامت کے دن جب اعمال کا حساب ہوگا تو اہل جہنم سے پوچھا جائے گا کہ کس چیز نے تمہیں ہلاکت میں ڈالا تو وہ نماز کا ادا نہ کرنا ہی بتائیں گے۔

قَالُوْ الَمْ نَکُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ (المدثر: آیت ۴۳)

ترجمہ: وہ کہیں گے ہم نماز نہیں پڑھتے تھے۔

اسی طرح کاہلی اور دکھاوے کے جذبے سے نماز پڑھنے والوں کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دھوکا دیتے ہیں اور اس کی عبادت بہت ہی کم کرتے ہیں۔ (سورۃ النساء: آیت ۱۴۲)

نماز ہر آزاد، غلام، امیر، غریب، تندرست و بیمار، مسافر اور مقیم شخص پر ہمیشہ کے لیے اور ہر حال میں فرض ہے۔ نماز تو میدان جنگ میں بھی فرض ہے، اور "صلوٰۃ الخوف" کے نام سے موسوم ہے۔ قرآن کریم میں متعدد بار اور مختلف مقامات پر نماز کی پابندی کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ نماز کی اہمیت کتنی زیادہ ہے۔ ہمیں چاہیے کہ نماز کا اہتمام ہر چیز سے زیادہ کریں کیونکہ قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کے بارے میں سوال ہوگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

"قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کے بارے میں پوچھا جائے گا" (بخاری)

2. روزہ

روزے کا مفہوم:

قرآن مجید میں روزے کے لیے صوم یا صیام کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جس کے معنی ہیں رک جانا اور ترک کر دینا۔ روزے میں انسان صبح کی پو پھٹنے سے لیکر غروب آفتاب تک کھانے پینے اور دوسری روزہ توڑنے والی چیزوں سے باز رہتا ہے۔

روزے کی فرضیت:

سن ۲ ہجری میں ماہ رمضان کے روزے مسلمانوں پر فرض کیے گئے اور ان کا فرض ہونا کتاب وسنت اور اجماع سے ثابت ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے۔ (سورۃ بقرہ: آیت ۱۸۳)

ترجمہ: پس جو کوئی بھی تم میں سے اس مہینے کو پائے اس پر لازم ہے کہ وہ اس پورے مہینے کے روزے رکھے۔ (سورۃ البقرہ آیت ۱۸۵)

اسلام میں روزے کی اہمیت وفضیلت:

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ (سورۃ البقرہ آیت ۱۸۵)

ترجمہ: رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا جو لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور (حق وباطل) میں فرق کرنے والا ہے۔ جو (شخص) اس مہینے میں موجود ہو اُسے چاہیے روزے رکھے۔

قرآن ورمضان کا بہت گہرا تعلق ہے۔ اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ رمضان میں قرآن مجید کی تلاوت بہت بڑھ جاتی ہے۔ اسی ماہ میں وحی کی ابتداء ہوئی اور قرآن مجید نازل ہوا۔ اس بابرکت مہینے میں جو بھی نیکی کی جائے اس کا اجر عام مہینوں سے کئی گنا زیادہ ملتا ہے۔ روزے کی عبادت کو اس قدر اہمیت حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ثواب کا ذمہ اپنے اوپر لیا ہے۔

كُلُّ عَمَلِ ابْنِ اٰدَمَ يُضَاعَفُ: اَلْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِلَّا الصَّوْمُ فَاِنَّهٗ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ (صحیح مسلم)

ترجمہ: آدمی کے ہر اچھے عمل کا ثواب اللہ تعالیٰ کے ہاں دس گنا سے لیکر سات سو گنا تک ہو جاتا ہے۔ مگر روزے کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: (روزہ) میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا اجر دوں گا۔

روزہ داروں کی مدد کرنا اور ان سے خوش خلقی سے پیش آنا بھی ثواب کا باعث ہے۔ روزہ افطار کروانے کا بھی ویسا ہی ثواب

ہے جیسا کہ روزہ رکھنا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

ترجمہ: جو شخص (رمضان میں) کسی روزہ دار کو افطار کروائے گا، اسے روزہ دار جتنا ثواب ملے گا۔ جبکہ روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی واقع نہ ہوگی"۔

ایمان اور اخلاص کے ساتھ رکھے گئے روزوں سے پچھلے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ خواہشات نفس پر قابو پا کر ایک شخص برائی سے نفرت کرنے لگتا ہے۔ نیکی کی طرف راغب ہوتا ہے۔ ضبط نفس کی یہ کیفیت اللہ کے نزدیک بے حد پسندیدہ ہے۔

3. زکوٰۃ

لغت میں زکوٰۃ کے معنی پاک کرنے، نشوونما پانے اور پھلنے پھولنے کے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے :

جس نے (اپنے) نفس (یعنی روح) کو پاک رکھا، وہ مراد کو پہنچا۔

اصطلاح شریعت میں زکوٰۃ ایک مالی عبادت ہے جو ہر صاحب نصاب مسلمان پر اس لیے فرض کی گئی ہے کہ وہ اپنے مال میں کچھ خاص حصہ شرائط کے ساتھ نکال کر ناداروں، مسکینوں اور زکوٰۃ کے دوسرے حق داروں کو دے دے۔ زکوٰۃ کے ساتھ آدمی کا مال اور خود اس کا نفس بھی پاک ہو جاتا ہے۔ اور اس کے علاوہ زکوٰۃ ادا کرنے سے مال میں خیر و برکت عطا ہوتی ہے۔

زکوٰۃ کی حقیقت محض یہی نہیں ہے کہ یہ ناداروں کی کفالت اور تقسیم کی ایک تدبیر ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی فرض کی ہوئی اہم عبادت ہے۔ جس کے ذریعے نہ صرف آدمی کے قلب و روح کا تزکیہ ہوتا ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا مخلص اور محسن بندہ بن جاتا ہے۔ زکوٰۃ دراصل اللہ تعالیٰ کی بے پناہ نعمتوں پر شکر کا اظہار ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طلب میں مومن جب اپنے دل پسند مال کو خوشی خوشی خرچ کرتا ہے تو اس سے مومن کے

دل میں نور پیدا ہوتا ہے دنیا کی محبتوں سے دل پاک ہو جاتا ہے اور روح میں تازگی اور پاکیزگی پیدا ہوتی ہے اور قلب میں اللہ تعالیٰ کی محبت راسخ ہوتی ہے۔ صدقہ دلوں میں خلوص اور سچائی پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ انفاق فی سبیل اللہ سے مراد اللہ کی راہ میں اُس کی رضا کے لیے خرچ کرنا۔ اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کی اصل روح رضائے الٰہی کی طلب اور تمنا ہے۔

زکوٰۃ سن ۲ ہجری میں فرض ہوئی۔ اس کی فرضیت، سنت اور اجماع سے ثابت ہے۔ قرآن مجید میں زکوٰۃ کا حکم بکثرت آتا ہے اور اکثر اس کا حکم نماز کے بعد متصل ہی دیا گیا ہے۔

ترجمہ: اور ان (مومنین) کے مالوں میں سوال کرنے والے اور سوال نہ کرنے والے محتاج لوگوں کا ایک حصہ ہے۔ (المعارج: ۲۴–۲۵)

زکوٰۃ احادیث رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی ثابت ہے کہ سلیم بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخری حج کے موقع پر فرمایا:

"اللہ سے ڈرو، اپنی پنجگانہ نمازیں پڑھا کرو۔ رمضان کے روزے رکھا کرو۔ اور مال کی زکوٰۃ ادا کرو اور اپنے حاکم کی اطاعت کرو۔ تو جنت میں جاؤ گے"۔ (ترمذی، مسند احمد)

۱۔ مسلم ہونا، غیر مسلم پر زکوٰۃ واجب نہیں
۲۔ اتنا مقروض نہ ہونا جس سے نصاب برابر مال نہ بچتا ہو
۳۔ پورا ایک سال مال پر گذر جانا
۴۔ بالغ ہونا
۵۔ صاحب نصاب ہونا

زکوٰۃ ان لوگوں پر فرض ہے جن کے پاس ایک خاص مقدار میں سونا، چاندی، روپیہ یا سامان تجارت موجود ہو، اس خاص مقدار کو نصاب کہتے ہیں، زکوٰۃ کسی مال پر اس وقت واجب ہوتی ہے جب اسے جمع کیے ہوئے ایک سال گذر چکا ہو۔

سونے کا نصاب : $7\frac{1}{2}$ تولے

چاندی کا نصاب: $52\frac{1}{2}$ تولے

اس کی قیمت لگا کر $2\frac{1}{2}$ فی صد کے حساب سے زکوٰۃ دینی ہوگی۔

اموالِ تجارت کا نصاب:

اموالِ تجارت کا نصاب اور شرح وہی ہے جو سونے اور چاندی کے لیے۔

مویشیوں کا نصاب اور شرح:

بھیڑ بکریوں کا نصاب 40 ہے چالیس سے کم پر زکوٰۃ نہیں۔ گائے، بھینس کا نصاب 30 ہے۔ تیس سے کم پر زکوٰۃ نہیں۔

کھیتی اور پھلوں کی زکوٰۃ:

کھیتی اور پھل کی زکوٰۃ کو عشر کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: جب فصلیں اور باغ پھلیں تو ان کے پھل کھاؤ اور جس دن پھل توڑو اور فصل کاٹو تو اس کا حق بھی ادا کرو

(سورۃ انعام: آیت: ۱۴۱)

جو کھیتی بارش سے سیراب ہوتی ہو تو اس پر دسواں حصہ (عشر) واجب ہے اور جس زمین کو ٹیوب ویل یا نہر سے سیراب کیا جاتا ہے تو اس میں بیسواں حصہ (نصف عشر) واجب ہے۔

زکوٰۃ کے مصارف:

مصارف، مصرف کی جمع ہے اس کے معنی ہیں خرچ کرنے کی جگہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں زکوٰۃ کے آٹھ مصارف اس طرح بیان کیے ہیں۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ
وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

(سورۃ التوبہ 60)

ترجمہ: صدقات یعنی زکوٰۃ و خیرات تو مفلسوں اور ناداروں اور کارکنان صدقات کا حق ہے اور ان لوگوں کا جن کے دل جیتنا منظور ہے اور غلاموں کے آزاد کرانے اور قرضداروں کے قرض ادا کرنے میں اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کی مدد میں بھی یہ مال خرچ کرنا چاہیے یہ مصارف اللہ کی طرف سے مقرر کر دیے گئے ہیں اور اللہ جاننے والا ہے حکمت والا ہے۔

زکوٰۃ کے مصارف مندرجہ ذیل ہیں:

1. فقراء: ان تنگ دست لوگوں کی مدد جن کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔
2. مساکین: ان لوگوں کی مدد جو زندگی کی بنیادی ضرورتوں سے محروم ہوں۔
3. عاملین زکوٰۃ: زکوٰۃ کی وصولی پر متعین عملے کی تنخواہیں دی جائیں۔
4. موٗلفۃ قلوب: نومسلموں کی مدد تاکہ ان کے دل اسلام کی طرف اور مائل ہو جائیں۔
5. فی الرقاب: غلاموں اور قیدیوں کے آزاد کرنے میں خرچ کی جائے۔
6. الغارمین: بے گھر اور مفلس لوگوں کے قرضے کو چکانے میں صرف ہو۔
7. فی سبیل اللہ: اللہ کی راہ میں جہاد کرنے اور تبلیغ اسلام کے لیے سفر کرنے والوں کی مدد کی جائے۔
8. ابن السبیل: مسافر جو اپنے سفر کے دوران روپیہ نہ رکھتا ہو۔ اگرچہ گھر میں سب کچھ موجود ہو۔

4. حج

حج کا لفظی اور اصطلاحی مفہوم:

حج کے لفظی معنی قصد و ارادہ کرنے کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں مخصوص افعال کے ساتھ خاص زمانے میں خاص مقامات کی زیارت کرنا حج کہلاتا ہے۔

مخصوص افعال سے مراد طواف، سعی اور وقوف عرفات ہے اور مخصوص زمانے سے مراد شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحج کی دسویں تاریخ تک ہے اور مخصوص مقامات سے مراد بیت اللہ، عرفات، مزدلفہ اور منیٰ ہیں۔

حج کی فرضیت:

قرآن مجید میں ہے:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ

ترجمہ: اور لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر یعنی خانہ کعبہ تک پہنچنے کی قدرت رکھتا ہو اس گھر کا حج کرے۔

(سورۃ آل عمران: آیت ۹۷)

ارشاد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے! اے لوگو تم پر حج فرض کیا گیا ہے لہٰذا حج کرو۔ (مسلم) اس پر ایک شخص نے کہا کہ یارسول اللہ کیا ہر سال؟ آپ خاموش رہے اس نے تین بار یہی سوال کیا تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج واجب ہو جاتا اور تم سے نہ ہو سکتا۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حج عمر بھر میں ایک دفعہ فرض ہے۔ اس کے بعد جتنے حج کیے جائیں وہ نفلی ہوں گے۔

حج ہر اس عاقل، بالغ اور صاحب استطاعت مسلمان پر فرض ہے جو آزاد ہو اور جسمانی طور پر معذور نہ ہو۔ صاحب استطاعت سے مراد وہ شخص جس کے پاس اتنا مال ہو جو حج کے مصارف اور اخراجات کے لیے کافی ہو اور جن کا نان ونفقہ شرعاً اس کے ذمے ہو' کے لیے کافی ہو۔

حج کے اعمال کو اصطلاح میں مناسک حج کہتے ہیں۔

عمرہ کے لغوی معنی زیارت کے ہیں اور شرعی معنی میقات سے احرام باندھ کر خانہ کعبہ کا طواف اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنے کے ہیں۔

۱۔ احرام: یہ دو اَن سلی چادروں پر مشتمل مرد حاجیوں کا نہایت ہی سادہ لباس ہے۔ ایک چادر بطور تہہ بند اور دوسری چادر جسم کے اوپر کے حصے کے لیے ہوتی ہے جس کا ایک سرا مرد بائیں کندھے کی طرف اور دوسرا دائیں کندھے کی طرف لٹکاتا ہے۔ عورتیں اپنے عام سادہ لباس کے ساتھ سر کے بالوں کو اچھی طرح ڈھانپنے کے لیے اوڑھنی یا رومال پہنتی ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ وہ اس کے چہرے کو مس نہ کرے۔

۲۔ طواف: بیت اللہ کے گرد چکر لگانے کو طواف کہتے ہیں، حجر اسود سے شروع کر کے سات چکر پورے کیے جاتے ہیں۔

۳۔ سعی: صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنے کو سعی کہا جاتا ہے یہ بھی سات مرتبہ کی جاتی ہے۔

۴۔ وقوف: میدان عرفات میں قیام کرنے کو وقوف کہتے ہیں۔ حاجی 9 ذی الحجہ کو میدان عرفات میں ٹھہرتے ہیں۔

۵۔ قربانی: حج کے اختتام پر 10 ذی الحجہ کو قربانی دی جاتی ہے۔ قربانی سے قبل بال کٹوانا یا منڈوانا جائز نہیں بلکہ قربانی کے بعد ایسا کریں جبکہ عورتیں اپنے بالوں کا صرف ایک لٹ کترتی ہیں، اس کے بعد حاجی احرام سے باہر نکل آتا ہے۔

۶۔ حالت احرام میں شکار کرنا حرام ہے۔

۷۔ دورانِ حج حاجیوں پر "تلبیہ" (لبیک اللھم لبیک) پڑھنا واجب ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کے پاس حج کا ضروری سامان موجود ہو اور سواری مہیا ہو جو اسے خانہ کعبہ تک پہنچا سکے اور پھر وہ حج نہ کرے تو کوئی فرق نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر مرے۔ (رواہ سعید" فی سنہ کتاب المناسک باب الخروج الی الحج)

۱۔ حج سے لوٹنے والے گناہوں سے پاک ہو جاتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص بیت اللہ کی زیارت کے لیے آیا پھر اس نے نہ تو کوئی فحش اور شہوانی عمل کیا اور نہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا کوئی کام کیا تو وہ گناہوں سے ایسا پاک و صاف ہو کر لوٹے گا جیسے ماں نے اس کو جنم دیا ہو (رواہ البخاری کتاب الحج)

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے حج مبرور کا صلہ جنت ہے (متفق علیہ)

۳۔ حج اور عمرہ کرنے والے اللہ کے مہمان ہوتے ہیں۔ وہ اپنے میزبان سے دعا کریں تو وہ ان کی دعائیں قبول فرمائے گا اور وہ اس سے مغفرت مانگیں تو وہ اُن کی مغفرت فرمائے گا (ابن ماجہ)

۴۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جب کسی زائر حرم سے تمہاری ملاقات ہو تو اس سے پہلے کہ وہ اپنے گھر پہنچے اس کو سلام کرو اور اس سے مصافحہ کرو اور اس سے درخواست کرو کہ وہ تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے دعائے مغفرت طلب کرے اس لیے کہ اس کے گناہوں کی مغفرت کا فیصلہ کیا جا چکا ہے" (مسند احمد)

CS CamScanner

مشق

سوال نمبر 1: درج ذیل سوالات کے جوابات دیں۔

الف۔ عقیدۂ اسلام میں عبادات کو کیا مقام حاصل ہے؟

ب۔ احادیث کی روشنی میں نماز کی اہمیت بیان کریں۔

ج۔ زکوٰۃ کن کن چیزوں پر اور کس شرح سے فرض ہے؟ وضاحت کریں۔

د۔ اسلام میں روزے کی اہمیت وفضیلت پر نوٹ لکھیں۔

ہ۔ حج اور عمرہ میں فرق بیان کریں۔ حج کی فرضیت بھی واضح کریں۔

سوال نمبر 2: درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات لکھیں۔

الف۔ نماز کی فرضیت 2 احادیث کی روشنی میں لکھیں۔

ب۔ زکوٰۃ کے لفظی معنی کیا ہیں؟

ج۔ اسلامی اصطلاح میں روزے کا مفہوم کیا ہے؟

د۔ حج واجب ہونے کی کون کون سی شرائط ہیں؟

ہ۔ احرام کسے کہتے ہیں؟

سوال نمبر 3: درج ذیل الفاظ کے مناسب ترین جوابات لکھیں۔

الف۔ عبادت کے لفظی معنی ہیں:

(i) دعا مانگنا (ii) نماز پڑھنا (iii) تلاوت کرنا (iv) بندگی کرنا

(ب) نماز میں سستی کو کہا گیا ہے:

(i) منافقت کی علامت (ii) بے دینی کی علامت

(iii) کفر کی علامت (iv) ایمان کی علامت

(ج) قرآن میں بار بار نماز کے ساتھ کس عمل کا ذکر آتا ہے؟

(i) حج (ii) صدقہ (iii) زکوٰۃ (iv) ایمان

(د) حج کے دوران وقوفِ عرفات سے مراد ہے؟

(i) دس ذوالحجہ کو عرفات میں ٹھہرنا (ii) سعی کرنا

(iii) 9 ذوالحجہ کو عرفات میں ٹھہرنا (iv) طواف کرنا

(و) چاندی کی کتنی مقدار پر زکوٰۃ فرض ہے؟

(i) 53 تولے (ii) 52 تولے (iii) $52\frac{1}{2}$ تولے (iv) 51 تولے

سوال نمبر 4: خالی جگہ کو مناسب الفاظ سے پُر کریں۔

(i) زکوٰۃ کے لفظی معنی ____ ہیں۔

(ii) طواف کعبہ ____ سے شروع ہوتا ہے۔

(iii) روزہ ____ ہجری میں فرض ہوا۔

(iv) نماز کافر اور ____ کے درمیان فرق کرنے والی ہے۔

سرگرمی

معلم/معلمہ طلبہ/طالبات کو دو گروپوں میں تقسیم کر کے ایک گروپ کو مالی عبادات اور دوسرے گروپ کو بدنی عبادات پر چارٹ تیار کروا کر اُس کی وضاحت کروائے۔

CS CamScanner

اس سبق کے پڑھنے کے بعد طلبہ / طالبات اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

قرآن مجید کی منتخب آیات کی روشنی میں سیرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مختلف درخشاں پہلوؤں کا مطالعہ کر سکیں نیز اولین مسلم معاشرے کے رہنما اصولوں کی روشنی میں اپنے معاشرے کے سُدھارنے کی تدبیر کر سکیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رہنمائی اور ہدایت کے لیے کئی نبی اور رسول بھیجے ہیں اور ہر نبی اور رسول نے دعوتِ توحید کے ساتھ اپنی نبوت ورسالت پر ایمان لانے کی دعوت دی ہے۔ رسولوں پر ایمان لانے کا مطلب ہے: ''ان کے تمام دعوؤں، وعدوں اور تعلیمات کی دل سے تصدیق کرنا اور زبان سے اس کا اقرار بھی کرنا''۔ یہ امر توجہ طلب ہے کہ اگر رسول کی کسی ایک بات کو بھی سچ نہ مانا تو یہ بھی اس کی تکذیب کی ہی ایک صورت ہے۔

ہر نبی یا رسول کے ماننے والے اپنے زمانے کے مسلمان اور تکذیب وانکار کرنے والے ہی اس زمانے کے کافر ہوتے تھے۔ یعنی نبی یا رسول کے لیے نبوت اور رسالت کا دعویٰ کرنا ضروری ہے اور یہ دعویٰ کوئی معمولی دعویٰ نہیں ہوتا۔ اس کے تسلیم کرنے سے ایک نئی امت وجود میں آتی ہے۔ نبوت یا رسالت کے دعویٰ کے بعد اسے ماننے یا نہ ماننے میں کوئی غیر جانبدار نہیں رہ سکتا۔ اسلام یا کفر کے دو راستوں کے سوا تیسرا کوئی راستہ ہی نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے بعض رسولوں کو بندوں کی ہدایت کے لیے کتابیں بھی دیں۔ قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل اور حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور کا دیا جانا بیان ہوا ہے۔ اس کے علاوہ صحفِ ابراہیم علیہ السلام، صحفِ موسیٰ علیہ السلام (حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحائف) کا بھی ذکر ہے۔

یہ کتابیں اللہ تعالیٰ کے کلام پر مشتمل اور زندگی کے معاملات میں ضروری رہنمائی سے بھرپور تھیں مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کتابوں کے ماننے والوں نے خود ان کتابوں میں تحریف کر ڈالی اور اپنی طرف سے کچھ باتیں ان میں ملا دیں۔ اب وہ کتابیں خالص کلام الٰہی باقی نہیں رہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے کلام اور لوگوں کی باتوں سے ملی جلی ہیں، جن میں امتیاز کرنا ممکن نہ رہا اس لیے وہ اب قابل عمل نہ رہیں اب عمل صرف قرآن مجید پر ہی ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب اور اس کا خالص کلام ہے کیونکہ یہ واحد آسمانی کتاب ہے جو آج تک اپنی اصلی حالت میں محفوظ و موجود ہے۔

ختم نبوت اور اس کے خصائص:

ہمارے آقا و مولا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سلسلہ انبیاء کی آخری کڑی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہی یہ دعویٰ اور اعلان کیا کہ اب آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے سب انبیاء کرام علیہم السلام اپنی امتوں کو ایک آنے والے عظیم نبی یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت دیتے رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی آنے والے کی بشارت دینے کی بجائے آئندہ نبوت کا دعویٰ کرنے والے کو ''کذّاب'' یعنی سب سے بڑا جھوٹا قرار دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلسلہ نبوت ختم ہونے کا اعلان انسانیت پر ایک بہت بڑا احسان ہے۔ اب کوئی کسی ماوراء الحواس ہستی یا ذریعے کے حوالے سے اپنی بات یا شخصیت کو لوگوں پر نہیں تھوپ سکتا۔ اب ہر ایک کو عقل کی مدد سے آخری وحی الٰہی کی روشنی میں چلنا ہے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دین مکمل ہوگیا، وہی ''دینِ اسلام'' جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے تک تمام انبیاء اور رسول پیش کرتے رہے۔ اب وہ اپنی آخری شکل میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے انسانوں کو دیا گیا۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ

(سورۃ احزاب: آیت 40)

ترجمہ: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں بلکہ وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں

ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود فرماتے ہیں:

وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ

ترجمہ: میں خاتم النبیین ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ (سنن ابی داؤد: 4254)

''دینِ اسلام'' کی تعلیمات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کی صورت میں نازل ہوتی رہیں۔ جو کتاب ہدایت و قرآن مجید کی شکل میں باقی رہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کتاب کو بحکمِ الٰہی نظامِ حفظ و کتابت کے ذریعے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ایسا محفوظ کر دیا کہ اس کے کسی ایک لفظ بلکہ ایک حرف کے طریقِ املاء و تلفظ تک میں ذرا بھر تبدیلی پیدا نہیں ہوئی اور اس کتاب کی حفاظت کا یہ انتظام اور نظام ''خطا نا آشنا'' (Foolproof) ہے کہ آئندہ بھی کبھی اس میں کوئی تبدیلی ناممکنات میں سے ہے۔

قرآنِ مجید کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے معنوں کی بھی یوں حفاظت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن مجید کے ایک ایک حکم پر خود عمل کر کے اور نظامِ حیات میں پورا ''دینِ اسلام'' برپا کر کے دنیا کو دکھایا۔ قرآن مجید کے معنی اور مطلب کی اس عملی تعبیر کا مکمل ریکارڈ سنت کی صورت میں موجود ہے۔ سیرت اور حدیث کی ساری کتابیں اسی ''سنت رسول'' کا بیان ہیں۔ دین کے مکمل ہو جانے اور دین کی اصل تعلیمات کے تحریف سے محفوظ ہو جانے میں بھی اسی بات کا اشارہ ہے کہ اب مزید کسی نبی کے آنے کی ضرورت نہیں رہی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام صرف اپنی اپنی قوم یا ملک کے لیے مبعوث کیے جاتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سارے انسانوں اور پوری دنیا کے لیے اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین ہمہ گیر بھی ہے اور عالم گیر بھی۔ آپ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی زندگی کو اللہ تعالیٰ نے ''اسوۂ حسنہ'' قرار دیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری سیرت بھی محفوظ کر دی گئی۔ کوئی بھی شعبہ ایسا نہیں جس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دی ہوئی تعلیمات میں راہنمائی موجود نہ ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی اتنی متنوع اور جامع تھی کہ نہ صرف حکومت اور سیاست، تجارت اور معاشرت، زہد اور عبادت، فصاحت اور خطابت، قانون اور عدالت اور انقلابی اور حربی رہنمائی بلکہ تعلیم و تربیت تک ہر جگہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک اسوۂ حسنہ یا کامل نمونہ نظر آتے ہیں۔ ہر مسلمان فخر سے سر اٹھا کر کہہ سکتا ہے کہ اسے زندگی کے کسی بھی مسئلے میں راہنمائی کے لیے کسی اور فلسفے کی ضرورت نہیں۔ ہمارے ہادی، ہمارے آقا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہر معاملے میں نہ صرف زبانی بلکہ عملی رہنمائی کے ساتھ موجود ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رہنمائی کے مطابق چلنے میں فلاح اور آپ کی راہنمائی سے انحراف ہلاکت کی راہ ہے۔

مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے تعلق کی صحیح نوعیت معلوم ہونی چاہیئے۔ کہنے کو تو کئی اور بھی امتیں اپنے انبیاء کی نام لیوا ہیں مگر حالت یہ ہے کہ توحید جیسی بنیادی چیز کو ترک کر کے آخرت کو بالکل بھول چکی ہیں قرآن و سنت میں ہمیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے تعلق کو سمجھنے اور اسے ہمیشہ درست رکھنے کے بارے میں واضح ہدایات موجود ہیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے:

- حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام دعوؤں اور تعلیمات کی سچائی پر یقین رکھنا اور اس کا اعلان کرنا۔
- آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمانبرداری اور اطاعت کرنا، آپ کا ہر حکم بجالانا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر فیصلہ کھلے دل کے ساتھ قبول کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نمونے کو اپنانے میں فخر محسوس کرنا۔
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے پناہ محبت کرنا۔ اپنے تمام مفادات اور اپنی تمام خواہشات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کے تابع کرنا اور اس کو محبت کا مظہر اور معیار بنانا۔
- نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے زیادہ ادب و احترام کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت اور جلال کے احساس سے ہمیشہ تواضع اور انکساری سے رہنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ادنیٰ سی نافرمانی اور خلاف ورزی سے بھی ہر وقت بچتے رہنا۔
- حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام امت یعنی تمام مسلمانوں کی خیر خواہی کرنا اور ان کے مسائل میں اضافے کا سبب نہ بننا۔
- حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغام کو اپنے قول اور عمل سے آگے پھیلانا۔ تبلیغِ دین سے غافل یا بے تعلق نہ رہنا۔

محبت و اتباع

اللہ تعالیٰ نے اپنا پیغام ہمیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے پہنچایا۔ یہ پیغام ہمارے پاس قرآن مجید کی صورت میں موجود ہے۔ ہمارے نبیؐ نے نہ صرف یہ پیغام ہم تک پہنچایا بلکہ ایک ایک حکم پر عمل کر کے بھی ہمیں دکھایا اور ہمیں تفصیل سے اللہ تعالیٰ کے تمام احکامات سمجھائے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری محبت کے مستحق ہیں۔ آپ کی ذاتِ بابرکات کے طفیل ہی ہمیں اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت، دولتِ دین اور اللہ کی پہچان میسر آئی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ فرمایا، جو کچھ کیا وہ سب اللہ تعالیٰ کا حکم تھا اور جو بات بھی زبان سے نکلی وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے تھی۔ دنیا میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے کسی نبی کے پاس اتنے واضح احکامات نہیں تھے جو قیامت تک ہماری راہنمائی کر سکیں، جبکہ اسلام کے احکام رہتی دنیا تک ہیں اس لیے اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت ضروری

ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم دیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران ۳۱)

”کہہ دو کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اطاعت کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔“

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَطِيعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُولَ (آل عمران ۳۲)

”اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا حکم مانو“۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرنا دراصل اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ (النساء ۸۰)

جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی تو تحقیق اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی“۔

اور جو اطاعتِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انکار کرتا ہے تو گویا وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی حکم کو نہ ماننا، اللہ تعالیٰ کے حکم کو نہ ماننا ہے۔ چنانچہ ہم صحیح معنوں میں مسلمان اسی وقت ہو سکتے ہیں جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے احکامات کی پیروی کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ
حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (النساء ۶۵)

”تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فیصلہ کرنے والا نہ بنائیں اور جو فیصلہ آپ کریں اس سے دل تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی سے مان لیں تب تک مومن نہیں ہوں گے۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنی قسم کھا کر اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہمیت کو واضح کیا اور بتایا کہ ہمارے تمام جھگڑوں کا فیصلہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے احکامات کی روشنی میں ہونا چاہیئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن کامل نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنی تمام خواہشات کو میرے حکم کے تابع نہ کر دے۔“ (شرح السنۃ 213/1: السنۃ لابن ابی عاصم ص 12)

اور اطاعت کی یہ شرط ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہی مخصوص ہی نہیں۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ جتنے بھی انبیاء کرام علیہم السلام اس دنیا میں بھیجے گئے ان کی بعثت کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ لوگوں سے ان کی پیروی کرائی جائے۔ ارشاد ہے:

”اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔“

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اسے اپنے والدین، اپنی اولاد، اور دنیا کے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔“ (متفق علیہ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی، ”ہمیں یہودیوں کی کچھ باتیں اچھی معلوم ہوتی ہیں، آپ کی کیا رائے ہے، کیا ان میں سے کچھ ہم سیکھ لیں؟“ آپؐ نے فرمایا، ”کیا تم بھی گمراہی کے گڑھے میں گرنا چاہتے ہو؟ جیسے یہود و نصاریٰ اپنی کتاب کو چھوڑ کر گڑھے میں گر گئے تھے۔ میں تمہارے پاس وہ شریعت لے کر آیا ہوں جو سورج کی طرح روشن اور آئینے کی طرح صاف ہے۔ اگر موسیٰ آج بھی زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری اطاعت کرنا پڑتی“۔ (شرح السنۃ 270/1 رقم 126)

جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرتا ہے، اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

”اور جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں وہ (قیامت کے روز) ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے بڑا انعام فرمایا یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہدا اور نیک لوگ اور ان لوگوں کی رفاقت بہت ہی خوب (اچھی) ہے۔“

- ★ اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے ہی گناہوں کی معافی سے لے کر اللہ تعالیٰ کی محبوبیت تک کے مراتب حاصل ہوتے ہیں۔
- ★ اتباع و اطاعتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر ہر نعرہ کھوکھلا اور ہر عمل بیکار ہے۔
- ★ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واضح حکم کے بعد ایک مسلمان کے لیے تعمیل کے بغیر چارہ ہی نہیں۔ اس میں اپنی پسند، ناپسند کو داخل کرنا، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کی

کھلی خلاف ورزی اور صریح گمراہی ہے۔

- ★ اصل تقویٰ یہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کام کرنے کا حکم دیا ہے وہ ضرور کیا جائے اور جن کاموں سے منع فرمایا ہے۔اس سے باز رہا جائے۔اس حکم کی خلاف ورزی سے آدمی اللہ تعالیٰ کے ہاں قابلِ سزا مجرم قرار پاتا ہے۔
- ★ مسلمانوں کو اپنے مقدمات اور تنازعات کتاب وسنت کی روشنی میں طے کرنے چاہئیں۔
- ★ شریعت کے تمام احکام اور آپؐ کے تمام فیصلے کسی ذہنی تحفظ کے بغیر دلی رضامندی سے قبول کرنے چاہئیں۔
- ★ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلوں کو ادنیٰ سی بھی تنگی محسوس کیے بغیر برضا ورغبت قبول کرنا ہی ایمان کا مطلوبہ معیار ہے۔
- ★ ہر معاملے میں اپنے فیصلے سے پہلے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا حکم معلوم کرنا چاہیئے اور پھر صرف اسی کے مطابق عمل کرنا چاہیئے۔
- ★ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادب واحترام کرنا چاہیئے اور کسی بھی قول وفعل سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے ادبی کا ذرا سا بھی پہلو نہیں نکلنا چاہیئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ مسلمانوں کے لیے بالخصوص اور انسانیت کے لیے بالعموم مفید ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوۂ حسنہ سب انسانوں کے لیے ایسی روشنی مہیا کرتا ہے جس کی رہنمائی میں انسانیت سفرِ دنیا وآخرت بخیر وخوبی طے کر سکتی ہے۔رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی نبی کی سیرت نہ تو محفوظ ہے اور نہ مکمل راہنمائی فراہم کرتی ہے۔اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا مطالعہ کوئی محض جذباتی مسئلہ نہیں بلکہ انسان کی ضرورت ہے۔اس ضمن میں چند اہم نکات درج ذیل ہیں۔

۱۔ واحد اسوۂ کامل:

جتنے بھی انبیاء علیہم السلام اس دنیا میں تشریف لائے ان میں سے کسی کی مکمل سیرت اس وقت دستیاب نہیں اور جو ناقص روایات دستیاب ہیں وہ بھی مستند نہیں۔اس لیے یہ غیر مستند اور نامکمل سیرت ہمارے لیے راہنمائی کا سامان مہیا نہیں کرتی۔صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت واحد سیرت ہے جو دنیا میں محفوظ اور ہر لحاظ سے مکمل ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (احزاب:۲۱)

"بیشک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ہی تمہارے لیے مکمل نمونہ ہے"۔

۲۔ تعمیرِ سیرت:

ہر انسان کے لیے تعمیرِ سیرت بہت ضروری ہے اور اس کے لیے ہر انسان کو سیرتِ نبوی کا مطالعہ کرنا چاہیئے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلامی تعلیمات پر بطور نمونہ عمل کر کے دکھایا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پڑھ کر انسان کے کردار سے خرابیاں دور ہونا شروع ہو جاتی ہیں اور وہ اچھائی کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔عرب کے جاہل معاشرے میں قرآن اور سیرتِ نبوی نے انقلاب برپا کر دیا تھا۔

۳۔ اثر انگیزی:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت میں بلا کی اثر انگیزی پائی جاتی ہے۔بعض اوقات قولی ترغیب سے زیادہ ذات کا عملی نمونہ انسان کے دل ودماغ کو بدل دیتا ہے اور انسان سیرت کی اثر انگیزی کے اثر سے متاثر ہوئے بنا نہیں رہ سکتا چنانچہ یہی وجہ ہے کہ بے شمار لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق اور امانت ودیانت کی وجہ سے دامنِ اسلام میں داخل ہوئے۔اس طرح اشاعتِ اسلام میں سیرت کی اثر انگیزی نے بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔

۴۔ اصلاحِ اخلاق:

جب تک انسان کے اندر اصلاح کا جذبہ پیدا نہ ہو جائے تو انسان کی اصلاح کا انحصار صرف حکومتی قوانین کے خوف پر نہیں ہو سکتا لہٰذا سب سے ضروری اصلاح اخلاق ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ انسان کو اخلاقِ حسنہ اختیار کرنے کی دعوت دیتا ہے۔اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت سراپا اخلاق حسنہ ہے۔اس کے مطالعے سے بیشمار لوگوں کے اخلاق درست ہوئے اور ان کا رویہ بدل گیا۔

۵۔ پیروی کے لیے:

سیرت کا مطالعہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا۔ارشادِ ربانی ہے:

"جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی گویا اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی"۔(النساء:۸۰)

ایک اور جگہ فرمایا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ تمہیں دیں، لے لو اور جس چیز سے تمہیں منع کریں، اس سے رک جاؤ''۔

(الحشر:۷)

اس کے علاوہ ایک اور مقام پر فرمایا:

''بے شک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ہی تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے''۔

(الاحزاب:۲۱)

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکمل پیروی کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔

مثلاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اس طرح نماز پڑھو جس طرح میں پڑھتا ہوں''۔ (البخاری)

اس لیے سیرت کے مطالعہ کے بغیر قرآن پر عمل نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہم آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے فرامین اور معمولات سے آگاہ ہو سکتے ہیں۔ مثلاً جب ہمیں یہ معلوم ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہمیشہ راتوں کو اٹھ کر تہجد کی نماز پڑھا کرتے تھے تو ہمیں بھی اس کے پڑھنے کی ترغیب ہوگی۔

۶۔ مستند سیرت:

آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سیرت مستند حیثیت رکھتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی زندگی میں ہی اس کا کافی سارا تحریری سرمایہ جمع ہو گیا تھا اور عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلی صدی ہجری میں ہی سیرت النبی پر کتاب لکھی۔ اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سیرت کے واقعات بھی سلسلہ سند رکھتے ہیں۔ مثلاً ایک راوی دوسرے سے روایت کرتا ہے اور یہ سلسلہ صحابہ کرام تک جا پہنچتا ہے۔ اور صحابہ کرام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت و کردار کے چشم دید گواہ ہیں تو اس طرح کوئی شخص اپنی مرضی سے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سیرت کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا۔ جب تک وہ اپنے سلسلہ سند کو نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم تک نہ پہنچادے۔

۷۔ قرآن کی عملی تشریح:

قرآن مجید میں اصولی احکامات دیے گئے ہیں۔ ان پر عمل درآمد کا طریقہ اور نمونہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی زندگی کا مطالعہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ یہ قرآن مجید کی تشریح اور اس کی تعلیمات کا تسلسل

ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''جس نے رسول کی پیروی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی''۔

(النساء:۸۰)

اسی طرح قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا کہ ''زکوٰۃ ادا کرو''۔ اب زکوٰۃ کا ایک پورا نظام ہے جس کے بارے میں بے شمار تفصیلات کی ضرورت ہے اور یہ تفاصیل آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سیرت کے مطالعہ سے ہی ہمیں ملتی ہیں کہ زکوٰۃ کا وقت ادائیگی، مختلف اموال پر مقدار زکوٰۃ اور نصاب زکوٰۃ کیا ہے؟۔ اس لیے سیرت نبی دراصل قرآن مجید کی عملی تشریح ہے۔ اس کے بغیر قرآن پاک پر عمل کرنا ناممکن ہے۔

۸۔ نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر اعتراضات کا جواب:

نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شخصیت کوئی عام شخصیت نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی معصومیت پر ہی اسلام کا انحصار ہے۔ آپ کی اطاعت اور محبت ہی ہماری کامیابی کے لیے بہت ضروری ہے۔ مستشرقین (مغرب سے تعلق رکھنے والے مشرقی علوم کے دعویداروں) نے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی زندگی کو اس طرح پیش کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت کو داغ دار کر دیا جائے۔ اس لیے جب تک مطالعہ سیرت نہ ہو انسان گمراہ ہو سکتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شخصیت سے متنفر ہو سکتا ہے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سیرت کا تحفظ اور ان کے اعتراضات کا جواب دینا ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ آج بھی مغربی تہذیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور قرآن مجید پر حملہ آور ہے۔ ان کا شافی جواب دینا مطالعہ سیرت کے ذریعے ہی ممکن ہے۔

۹۔ سرچشمہ ہدایت:

آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی زندگی پوری انسانیت کے لیے سرچشمہ ہدایت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے احکامات پر اس لیے عمل کر کے دکھایا کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اسلام کا چلتا پھرتا نمونہ تھے۔ اسی لیے جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا اخلاق کیسا تھا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: ''ان کا اخلاق قرآن تھا''۔ اس لیے مسلمانوں نے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سیرت کو نہ صرف محفوظ کیا بلکہ ایک ایک گوشے پر تحقیق کر کے دنیا کے سامنے پیش کیا تاکہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سیرت پر عمل کر سکیں۔

CS CamScanner

CS CamScanner

۱۰۔ مسلمانوں کی کثرت:

آج مسیحیت کے بعد اسلام دنیا کا دوسرا بڑا مذہب ہے۔جس کے ماننے والوں کی تعداد سوا ارب سے زیادہ ہے۔اس طرح یہ دنیا کے چوتھائی انسانوں کا مذہب ہے۔مسلمانوں کے راہنمائی حاصل کرنے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ بہت ضروری ہے کیونکہ ان کی سیرت ان کے ایمان وعمل کا حصہ ہے،جس کے رہنمائی کے بغیر وہ دو قدم بھی نہیں چل سکتے۔

۱۱۔ ہر دور کے مسائل کا حل:

آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سیرت ہر دور کے مسائل کا حل ہے اس لیے اس پر تحقیقی عمل جاری رہے گا اور اس کے مختلف گوشے سامنے آتے رہیں گے۔آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سیرت کا مختلف زاویوں سے جائزہ لینا بہت ضروری ہے تا کہ وقت کی ضرورت کے مطابق اس میں سے ہر دور کے مسائل کا حل تلاش کیا جا سکے۔کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم آخری نبی ہیں اس لیے قرآن مجید اور سیرت النبی کے حسین امتزاج سے ہی آج کے دور کے مسائل حل کیے جا سکتے ہیں۔اس کے علاوہ آج انسانیت کی مشکلات کے حل کا کوئی رستہ نہیں۔

۱۲۔ صراطِ مستقیم:

آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سیرت مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں کے لیے صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی کا ذریعہ ہے۔اس کے علاوہ کوئی سیرت ایسی صلاحیت نہیں رکھتی۔ایک تو وہ مستند نہیں دوسری نامکمل ہیں۔اس لیے مسلمانوں کو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سیرت جیسی نعمت کی قدر کرنی چاہیئے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت میں معقولیت، روشنی، چاشنی، اثر انگیزی اور مسائل انسانیت کے حل کی صلاحیت موجود ہے۔اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مطالعے سے نہ صرف خود فائدہ اٹھانا چاہیئے بلکہ دوسروں کے لیے بھی اس روشنی کو عام کرنا چاہیئے۔

۱۳۔ وقارانسانیت:

آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سیرت انسانوں کے وقار کی علامت ہے کہ ایک انسان اللہ تعالیٰ کا بندہ اور نمائندہ بن کر کس طرح پر وقار زندگی بسر کرتا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے انسانوں کو صرف اور صرف خدا کے سامنے جھکنے کے علاوہ کسی بھی انسان اور شجر و حجر کے آگے جھکنے سے روک دیا اور اللہ تعالیٰ کے اس پیغام "بے شک ہم نے اولادِ آدم کو عزت دی" (سورۃ الاسراء: آیت 70) کو عام کیا۔

۱۴۔ روحانی غذا:

آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سیرت روح کی غذا اور روحانی بیماریوں کا علاج ہے۔آج انسانی دنیا پریشان اور بہت ساری

نفسیاتی بیماریوں میں مبتلا ہو چکی ہے۔یہ پریشان انسان دوسرے انسانوں کو بھیڑیوں کی طرح تباہ و برباد کر چکے ہیں۔افغانستان، کشمیر، بوسنیا اور چیچنیا میں بربادی کا یہ کھیل جاری ہے۔آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ ہی ہماری اس شقاوتِ قلبی کا علاج اور مسلمانوں اور غیر مسلموں کی اخلاقی بیماریوں کا تریاق بن سکتا ہے۔

مشق

سوال نمبر1۔ درج ذیل سوالات کے تفصیلی جواب دیں۔

الف۔ ختم نبوت پر تفصیلی نوٹ لکھیں۔

ب۔ محبت واتباع کا محور کس کی ذات ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان کیجئے۔

ج۔ "بے شک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے"۔قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت کیجئے۔

د۔ سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل کرنا نجات اور فلاح کا ضامن ہے۔قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان کریں۔

سوال نمبر2۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں۔

الف۔ اسوۂ حسنہ سے کیا مراد ہے؟

ب۔ ختم نبوت سے متعلق کوئی آیت بمعہ ترجمہ لکھیں۔

ج۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں کیا فرمایا؟

د۔ پہلی صدی ہجری میں کس نے سیرت پر کتاب لکھی؟

ہ۔ قرآنِ مجید کی عملی تشریح کس کو کہا جاتا ہے؟

و۔ اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کسی ایک آیت کا ترجمہ تحریر کریں۔

ز۔ "کذاب" کسے کہتے ہیں؟

ح۔ صحفِ ابراہیم سے کیا مراد ہے؟

سوال نمبر3۔ مناسب الفاظ استعمال کرتے ہوئے خالی جگہیں پر کریں۔

الف۔ سلسلہ انبیاء کی آخری کڑی ______ ہیں۔

ب۔ قرآنِ مجید کی حفاظت کا ذمہ ______ نے لیا ہے۔

ج۔ اسوۂ حسنہ ______ کی سیرت کو کہا جاتا ہے۔

د۔ اس دنیا میں صرف ______ کی سیرت ہے جو مکمل طور پر محفوظ ہے۔

و۔ حدیث شریف کے مطالعے کے بغیر ______ پر عمل نہیں کیا جا سکتا۔

ز۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پہلی کتاب ______ صدی ہجری میں لکھی گئی۔

ح۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کو ______ قرار دیا ہے۔

ط۔ دنیا کا دوسرا بڑا مذہب ______ ہے۔

ی۔ بے شمار لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق اور ______ کی وجہ سے دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔

سوال نمبر 4۔ درج ذیل فقرات میں سے درست اور غلط کی نشاندہی کریں۔

الف۔ عرب کے جاہل معاشرے میں قرآنِ مجید اور سیرت النبیؐ نے انقلاب برپا کر دیا تھا۔ ______

ب۔ جس نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی، گویا اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ ______

ج۔ عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے سیرت پر پہلی کتاب لکھی۔ ______

د۔ اب تک تمام انبیاء کرام کی سیرت محفوظ ہے۔ ______

د۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے بارے میں تفصیلی معلومات ہمیں قرآنِ مجید سے ملتی ہیں۔ ______

و۔ اسلام کے ماننے والوں کی تعداد دو ارب سے زائد ہے۔ ______

ز۔ اسلام دنیا کا سب سے بڑا مذہب ہے۔ ______

ح۔ مسلمانوں اور غیر مسلموں کی اخلاقی بیماریوں کا علاج سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطالعہ ہے۔ ______

سرگرمی

معلم/معلمہ، طلباء/طالبات پر "سیرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کے موضوع پر تقریری مقابلہ کروائے۔

باب چہارم

قرآنی آیات (ترجمہ وتشریح)

تدریسی مقاصد

اس سبق کے پڑھنے کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

۱۔ قرآن مجید کی منتخب آیات کی روشنی میں سیرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مختلف درخشاں پہلوؤں کا مطالعہ کر سکیں اور اولین مسلم معاشرے کی رہنما اصولوں کی روشنی میں اپنے معاشرے کے سُدھارنے کی تدبیر کر سکیں۔

۲۔ قرآن مجید کی منتخب آیات وسورتوں کا مطالعہ کرتے ہوئے قرآن مجید کے لیے اپنے ذوق مطالعہ کو وسعت دیتے ہوئے آیات قرآنی پر غور وفکر کی عادت کو پختہ کر سکیں۔

سورۃ یٰسٓ: آیت نمبر ۸۱

أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۚ بَلَىٰ وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ ۝

ترجمہ:
بھلا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ ان کو پھر ویسے ہی پیدا کر دے۔ کیوں نہیں۔ اور وہ تو سب کچھ پیدا کرنے والا کامل علم والا ہے۔

تشریح:

اس آیت مبارکہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ بعث بعد الموت کے متعلق بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین جیسی بڑی مخلوقات کو پیدا کیا جو اس کی قدرت وطاقت کی وسعت کی علامت ہے تو کیا وہ انسانوں کو موت کے بعد دوبارہ پیدا کرنے کی قدرت اور طاقت نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کو پیدا کیا۔ زمین اور اس کے اندر کی سب چیزوں کو بھی اسی نے بنایا۔ پھر اتنی بڑی قدرتوں والا انسانوں جیسی چھوٹی مخلوق کو پیدا کرنے سے عاجز آجائے گا، تو یہ عقل کے خلاف ہے۔ جیسے فرمایا:

"آسمان وزمین کی پیدائش انسانی پیدائش سے بہت بڑی اور اہم ہے" (المؤمن: ۵۷)

یعنی آسمان اور زمین جیسی بڑی مخلوقات کو پیدا کرنا اگر اللہ تعالیٰ کے لیے آسان ہے تو انسان جیسی نسبتاً چھوٹی مخلوق کو دوبارہ پیدا کرنا تو یقیناً آسان ہوگا۔

جیسے ایک اور آیت میں ارشاد ہے:

"کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اس بات پر قادر ہے کہ ان جیسے لوگ پیدا کردے۔ اور اس نے ان کے لیے ایک وقت مقرر کردیا ہے جس میں کچھ بھی شک نہیں۔ تو ظالم انکار کیے بغیر نہ رہ سکے۔"

(بنی اسرائیل: ۹۹)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دانا، بینا اور ذرے ذرے سے واقف ہے۔ زمین وآسمان کی ہر چیز اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ ہمیں ہر وقت اس کی بڑائی بیان کرتے رہنا چاہیئے۔

آیت نمبر ۸۲:

إِنَّمَآ أَمْرُهُۥٓ إِذَآ أَرَادَ شَيْـًٔا أَن يَقُولَ لَهُۥ كُن فَيَكُونُ۝

ترجمہ:

اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرما دیتا ہے کہ ہوجا تو وہ ہوجاتی ہے۔

تشریح:

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت کی خاص طاقت وصفت کا تذکرہ کیا گیا ہے یعنی وہ تو جو کرنا چاہتا ہے، اس کا صرف حکم دے دینا کافی ہوتا ہے۔ اگر انسانوں کو کوئی چیز تیار کرنی ہو تو تیار کرنے سے پہلے اس کے تمام اجزاء کو اکٹھا کرنا پڑتا ہے تو وہ چیز وجود میں آتی ہے، اگر ان اجزاء میں سے کوئی ایک بھی شے نہ ملے تو انسان خواہ کتنا بھی ماہر ہو، اس چیز کو نہیں بنا سکتا۔ اس کے علاوہ کئی کام ایسے ہوتے ہیں جو انسان کے بس سے باہر ہوتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ ایسی ہے کہ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ کو کوئی چیز تیار کرنی ہو تو صرف وہ حکم دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ ہوجا، تو وہ چیز تیار ہوجاتی ہے۔ انسان اور دوسری مخلوقات کی پیدائش بھی اسی طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو جب پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا صرف حکم ہی کافی ہوتا ہے۔ تو اگر وہ ایک مرتبہ انسان اور دوسری مخلوقات کو صرف اپنے حکم سے پیدا کرسکتا ہے تو دوسری دفعہ پیدا کرنا اس کے لیے کب مشکل کام ہے۔

ہر چیز اللہ تعالیٰ کے ہی قبضہ قدرت میں ہے۔ دنیا اور اس کائنات کا ہر کام اس کے حکم سے ہی ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں قریباً بارہ مقامات پر یہ بات تکرار کے ساتھ آئی ہے کہ:

إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ۝

"اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے"۔

مسند احمد کی حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اے میرے بندو! تم سب گنہگار ہو، مگر جسے میں معاف کردوں گا۔ تم مجھ سے معافی طلب کرو، میرا وعدہ ہے کہ تمہیں معاف کردوں گا۔ تم سب فقیر ہو مگر جسے میں غنی کردوں۔ میں جواد ہوں، میں ماجد ہوں، میں واجد ہوں۔ جو چاہتا ہوں، کرتا ہوں۔ میرا انعام بھی ایک کلام ہے اور میرا عذاب بھی ایک کلام ہے۔ میں جس چیز کو کرنا چاہتا ہوں، کہہ دیتا ہوں کہ ہوجا اور وہ ہوجاتی ہے۔

سورۃ الشوریٰ: آیت نمبر ۲۳

ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ
قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ؕ وَمَنْ يَّقْتَرِفْ
حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ۝

CS CamScanner

ترجمہ:

یہی وہ انعام ہے جس کی بشارت اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کو دے رہا ہے جو ایمان لائے اور (سنّت کے مطابق) نیک عمل کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ میں اس پر تم سے کوئی بدلہ نہیں چاہتا مگر محبت رشتہ داری کی، جو شخص کوئی نیکی کرے ہم اس کے لیے اس کی نیکی میں اور نیکی بڑھا دیں گے۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بہت قدردان ہے۔

تشریح:

اس سے پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ جنت کی نعمتوں کا ذکر کر کے یہاں بیان فرما رہا ہے کہ ایمان دار نیکوکاروں کو جنّت کی بشارت ہو۔ پھر اپنے نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے فرماتا ہے قریش کے مشرکین سے کہہ دو کہ میں تبلیغ و دعوت اور وعظ و نصیحت کی کوئی اجرت تم سے نہیں مانگتا۔ البتہ ایک چیز کا سوال ضرور ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان جو رشتہ داری ہے اس کا لحاظ کرو۔ اگر تم میری دعوت کو نہیں مانتے تو نہ مانو تمہاری مرضی، لیکن مجھے نقصان پہنچانے سے تو باز رہو۔ تم میرے دست و بازو نہیں بن سکتے تو رشتہ داری کے ناطے مجھے ایذا تو نہ پہنچاؤ اور میرے راستے کی رکاوٹ تو نہ بنو کہ میں فریضہ رسالت ادا کر سکوں۔

طبرانی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کفارِ قریش سے کہا میں تم سے اس کی کوئی اجرت طلب نہیں کرتا مگر یہ کہ تم اس قرابت داری کا خیال رکھو جو مجھ میں اور تم میں ہے۔ میری اس قرابت کا حق جو تم پر ہے وہ ادا کرو۔ مسندِ احمد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تمہیں جو دلیلیں دی ہیں اور جس ہدایت کا رستہ بتایا ہے اس پر کوئی اجر تم سے نہیں چاہتا سوائے اس کے کہ تم اللہ تعالیٰ کو چاہنے لگو اور اس کی اطاعت کی وجہ سے اس کا قرب اور نزدیکی حاصل کر لو۔

ابنِ جریر میں ہے کہ انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے فخر کے طور اپنی خدماتِ اسلام گنوائیں۔ اس پر ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم تم سے افضل ہیں۔ جب یہ خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو ملی تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ان کی مجلس میں آئے اور فرمایا کہ اے انصار! کیا تم ذلّت میں نہ تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں میری وجہ سے عزّت بخشی۔ انہوں نے کہا کہ بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں۔ فرمایا کہ کیا تم گمراہ نہ تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں میری وجہ سے ہدایت بخشی۔ انہوں نے کہا کہ ہاں، بیشک آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے سچ فرمایا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ تم مجھے کیوں نہیں کہتے؟ انہوں نے کہا کہ کیا کہیں؟ فرمایا کیوں نہیں کہتے کہ کیا تیری قوم نے تجھے نکال نہیں دیا تھا؟ اس وقت ہم نے تجھے پناہ دی کیا انہوں نے تجھے جھٹلایا نہ تھا؟ اس وقت ہم نے تیری تصدیق کی۔ کیا انہوں نے تجھے پست کرنا نہیں چاہا تھا؟ اس وقت ہم نے تمہاری مدد کی۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے

NOT FOR SALE

اور بھی بہت سی باتیں کیں یہاں تک کہ انصار اپنے گھٹنوں پر جھک پڑے اور انہوں نے کہا حضور! ہماری اولاد اور ہمارے پاس جو کچھ ہے سب اللہ تعالیٰ کا ہے اور سب کچھ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے لیے ہے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آیت کے معنی یوں بیان فرمائے ہیں کہ میرے اور تمہارے درمیان جو قرابت (رشتہ داری) ہے، اس کو قائم رکھو۔ (صحیح بخاری)

سورۃ فتح: آیت نمبر ۲۸

هُوَالَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ
عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝

ترجمہ:

وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت کی کتاب اور دینِ حق دے کر بھیجا۔ تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے اور حق ثابت کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے۔

تشریح:

اس آیتِ طیبہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی شانِ کبریائی اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اعلیٰ مقام اور منصب عالی کا ذکر فرمایا ہے کہ انہیں منصبِ رسالت پر فائز کرنے والا میں ہوں؛ میں نے ہی نبی کریم کو کتابِ ہدایت عطا فرمائی ہے۔ جس کے مقدر میں اس ظلمت کدہ کو منور کرنا ہے۔ میں نے اس کو ایسا جامع نظامِ حیات اور شریعت دے کر مبعوث فرمایا ہے جو بے حال انسانیت کے لیے پیغامِ بہار ہے۔ جس کو میں نے اس اعلیٰ منصب پر فائز کیا ہے، کوئی طاقت اس کو اس شرف سے محروم نہیں کر سکتی۔ چاہے ساری دنیا انکار کر دے مگر اس کی عظمت کا ماہِ تمام چمکتا ہی رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ اس دین کو تمام مروّجہ ادیان، مذاہب اور نظام ہائے حیات پر غلبہ بخشے گا۔ اس وعدہ کو پورا کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ عہدِ رسالت میں ہی اسلام کا پرچم مکّہ پر لہرانے لگا جو کفر و شرک کا گڑھ تھا۔ خلافتِ راشدہ میں ایشیا اور افریقہ کے برِّاعظموں میں اس کی عظمت کے ڈنکے بجنے لگے۔ شرق و غرب میں کلمۂ توحید کی صدائیں گونجنے لگیں۔ غالب آنے کا مطلب یہ ہے کہ یا لوگ اس کو قبول کر لیں گے یا اس کی برتری کو تسلیم کر لیں گے۔ مسلمانوں کے

NOT FOR SALE

دورِ انحطاط میں بھی نظر و فکر کے میدانوں میں اسلام کا پرچم لہراتا رہا۔

آخر میں فرمایا کہ میں اپنے رسول کی رسالت کا بھی گواہ ہوں اور اس حقیقت کا بھی گواہ ہوں کہ وہ کتابِ ہدایت اور دینِ رحمت لے کر لایا ہے اور اس بات کا بھی ضامن ہوں کہ یہ دین سب ادیان پر غالب آجائے گا۔ اور میری گواہی کے بعد ان سچائیوں کو ثابت کرنے کے لیے کسی دوسرے گواہ کی ضرورت نہیں۔

آیت نمبر۲۹:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۫ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۛ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝

ترجمہ:

محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم اللہ کے پیغمبر ہیں جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے مقابلے میں تو سخت ہیں اور آپس میں رحم دل۔ اے دیکھنے والے تو ان کو دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے آگے جھکے ہوئے سر بسجود ہیں اور اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی خوشنودی طلب کر رہے ہیں۔ کثرتِ سجود کے اثر سے ان کی پیشانیوں پر نشان پڑے ہوئے ہیں ان کے یہی اوصاف تورات میں ہیں اور یہی انجیل میں۔ وہ گویا ایک کھیتی ہیں جس نے پہلے زمین سے اپنی سوئی نکالی پھر اس کو مضبوط کیا پھر موٹی ہوئی پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی اور لگی کھیتی والوں کو خوش کرنے تا کہ کافروں کا جی جلائے۔ جو لوگ ان میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان سے اللہ تعالیٰ نے گناہوں کی بخشش اور اجرِ عظیم کا وعدہ کیا ہے۔

تشریح:

اس آیت میں پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اللہ تعالیٰ کے برحق رسول ہیں پھر آپؐ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی صفت بیان ہو رہی ہے جیسے ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: ''مومنوں کے سامنے نرم کفار کے مقابلہ میں سخت'' (المائدہ:54)

ہر مومن کی یہی شان ہونی چاہیئے کہ وہ مومنوں سے خوش خلق اور متواضع رہے اور کفار پر سختی کرنے والا اور کفر سے ناخوش رہے۔ قرآنِ مجید میں ایک اور جگہ ارشاد ہے:

ترجمہ: ''ایمان والو! اپنے پاس کے کافروں سے جہاد کرو اور چاہیئے وہ تم میں سختی محسوس کریں'' (التوبہ آیت:23)

آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم فرماتے ہیں مومن، مومن کے لیے مثل دیوار کے ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو تقویت پہنچاتا اور مضبوط بناتا ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے سے ملا کر بتائیں۔ پھر ان کا ایک اور وصف بیان فرمایا کہ نیکیاں بکثرت کرتے ہیں، خصوصاً نماز جو تمام نیکیوں سے افضل و اعلیٰ ہے پھر ان کی نیکیوں میں چار چاند لگانے والی چیز کا بیان یعنی ان کے خلوص اور رضائے الٰہی کا یہ عالم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے متلاشی ہیں۔ یہ اپنے اعمال کا بدلہ اللہ تعالیٰ سے چاہتے ہیں، جو جنت ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے انہیں ملے گی اور اللہ تعالیٰ اپنی رضامندی بھی عطا فرمائے گا جو بہت بڑی چیز ہے۔ جیسے فرمایا:

ترجمہ: ''اللہ کی رضامندی تو سب سے بڑھ کر نعمت ہے یہی بڑی کامیابی ہے''۔ (ورضوان من اللہ اکبر التوبہ: آیت72)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ چہروں پر سجدوں کے علامت ظاہر ہونے سے مراد اچھے اخلاق ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے صحابہ کو برا نہ کہو، ان کی بے ادبی اور گستاخی نہ کرو، اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو ان کے تین پاؤ اناج بلکہ ڈیڑھ پاؤ اناج کے اجر کو بھی نہیں پاسکتا۔ (صحیح مسلم)

سورۃ الحجرات: آیت نمبر۱

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

ترجمہ:

مومنو! کسی بات کے جواب میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے پہلے نہ بول اٹھا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ تعالیٰ سنتا ہے جانتا ہے۔

CS CamScanner

تشریح:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو مخاطب کر کے انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بارگاہ کے آداب سکھاتا ہے کہ تمہیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی توقیر واحترام اور ان کی عزت کا خیال کرنا چاہیئے اور تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پیچھے رہنا چاہیئے۔ اتباع اور تابعداری کی عادت ڈالنی چاہیئے۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے یمن کی طرف بھیجا تو دریافت فرمایا کہ کس چیز کے ساتھ حکم کرو گے؟ جواب دیا کتاب اللہ کے ساتھ۔ فرمایا اگر اس میں نہ پاؤ؟ جواب دیا سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ۔ فرمایا اگر اس میں بھی نہ پاؤ؟ جواب دیا کہ اجتہاد کروں گا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان کے سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے قاصد کو ایسی توفیق دی جس سے اللہ تعالیٰ کا رسول خوش ہو۔

آیت نمبر۲

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ
كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۝

ترجمہ:

اے اہلِ ایمان اپنی آوازیں پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی آواز سے اونچی نہ کرو اور جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو اس طرح ان کے روبرو زور سے نہ بولا کرو ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔

تشریح:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ادب سکھایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کریں۔ روایت ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت ابی بن مُلکیہ سے مروی ہے کہ قریب تھا کہ وہ بہترین ہستیاں ہلاک ہو جائیں یعنی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما، ان دونوں کی آوازیں حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سامنے بلند ہو گئیں جبکہ بنو تمیم کا وفد حاضر ہوا تھا ایک تو اقرع بن حابس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر بنانے کا کہتے تھے جو بنی مجاشع میں سے تھے اور دوسرے، دوسرے شخص کی بابت کہتے

NOT FOR SALE

تھے۔ اس پر حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم تو میرا خلاف ہی کیا کرتے ہو۔ فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا نہیں نہیں آپ یہ خیال بھی نہ فرمایئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے اس طرح گفتگو فرماتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو دوبارہ پوچھنا پڑتا تھا۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے قعقاع بن معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس وفد کا امیر بنایئے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ نہیں بلکہ حضرت اقرع بن حابس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو، اس اختلاف میں کچھ آوازیں بلند ہو گئیں جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے فرمایا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم! قسم اللہ تعالیٰ کی اب میں آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے اس طرح باتیں کروں گا جس طرح کوئی سرگوشی کرتا ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کئی دن تک نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی مجلس میں نظر نہ آئے اس پر ایک شخص نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم! میں اس کی بابت آپ کو بتلاؤں گا۔ چنانچہ وہ حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان پر آئے۔ دیکھا کہ وہ سر جھکائے بیٹھے ہیں۔ پوچھا کیا حال ہے۔ جواب ملا برا حال ہے، میں تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی آواز پر اپنی آواز بلند کیا کرتا تھا، میرے اعمال برباد ہو گئے اور میں جہنمی بن گیا۔ وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس آئے اور سارا واقعہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے کہہ سنایا پھر وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے ایک زبردست بشارت لے کر دوبارہ حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ ان سے جا کر کہو کہ تو جہنمی نہیں جنتی ہے۔

اس آیتِ مبارکہ اور احادیث کی روشنی میں یہ بات واضح ہو گئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے بے ادب لوگ اپنے ایمان کی فکر کریں کیونکہ جلیل القدر صحابہ کرام صرف اونچا بولنے کی وجہ سے پریشان تھے۔

آیت نمبر۳

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ
قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ۝

ترجمہ: جو لوگ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سامنے دبی آواز سے بولتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کو تقویٰ کے لیے جانچ لیا ہے ان کے لیے بخشش اور اجرِ عظیم ہے۔

NOT FOR SALE

تشریح:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سامنے دبی آواز میں بولنے والوں کے صلہ کے بارے میں بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سامنے آوازیں بلند کرنے سے منع فرمایا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو شخصوں کی کچھ بلند آوازیں مسجدِ نبوی مین سن کر وہاں آکر ان سے فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ تم کہاں ہو؟ پھر ان سے پوچھا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ انہوں نے کہا کہ طائف کے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر تم مدینے کے ہوتے تو میں تمہیں پوری سزا دیتا۔

علماء کرام کا فرمان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی قبر شریف کے پاس بھی بلند آواز سے بولنا مکروہ ہے۔ جیسے کہ آپ کی حیات میں آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سامنے بلند آواز سے بولنا منع تھا اس لیے کہ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اپنی زندگی میں قابلِ احترام وعزت تھے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اپنی قبر مبارک میں بھی باعزت اور قابلِ احترام ہی ہیں۔ جس طرح تمام لوگ ایک دوسرے سے با آواز بلند باتیں کرتے ہیں اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے باتیں کرنے سے منع فرمایا ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے تسکین ووقار، عزت وادب، حرمت وعظمت سے باتیں کرنا چاہییں۔ جیسے ایک اور جگہ ارشادِ ربانی ہے:

ترجمہ: "اے مسلمانو! رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس طرح نہ پکارو جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو"۔ (النور: ٦٣)

پھر ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ہم نے تمہیں اس لیے بلند آوازی سے روکا ہے کہ ایسا نہ ہو کسی وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم ناراض ہو جائیں اور آپ کی ناراضگی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے اور تمہارے کل اعمال ضبط کر لے اور تمہیں اسکا پتہ بھی نہ چلے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ ایک شخص اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا کوئی کلمہ ایسا کہہ گزرتا ہے کہ اس کے نزدیک تو اس کلمہ کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی لیکن خدا کو وہ اتنا پسند آجاتا ہے کہ اس کی وجہ سے وہ جنتی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح انسان بعض اوقات اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا کوئی ایسا کلمہ کہہ جاتا ہے کہ اس کے نزدیک اس کی تو کوئی وقعت نہیں ہوتی مگر اللہ تعالیٰ اس ایک کلمہ کی وجہ سے اسے جہنم کے اس قدر نیچے کے طبقے میں پہنچا دیتا ہے کہ جس کا گڑھا آسمان وزمین سے زیادہ گہرا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آواز پست کرنے کی رغبت دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سامنے اپنی آوازیں دھیمی کرتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے خاص کر لیا ہے، اہلِ تقویٰ یہی لوگ ہیں۔ یہ مغفرتِ خدا کے مستحق اور اجرِ عظیم کے لائق ہیں۔

آیت نمبر ۴-۵:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُنَادُوۡنَكَ مِنۡ وَّرَآءِ الۡحُجُرٰتِ اَكۡثَرُهُمۡ لَا یَعۡقِلُوۡنَ ۝ وَلَوۡ اَنَّهُمۡ صَبَرُوۡا حَتّٰى تَخۡرُجَ اِلَیۡهِمۡ لَكَانَ خَیۡرًا لَّهُمۡ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ۝

ترجمہ:

اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے آواز دیتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔ اور اگر وہ صبر کیے رہتے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود نکل کر ان کے پاس آتے تو یہ ان کے لیے بہتر ہوتا۔ اور اللہ تعالیٰ تو بخشنے والا مہربان ہے۔

تشریح:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی تربیت کرتا ہے جو عرب دستور کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکانوں کے پیچھے سے آوازیں دے کر پکارتے تھے۔ تو فرمایا کہ ایسا کرنے والوں میں سے اکثر بے عقل ہیں۔ پھر اس کی بابت ادب سکھاتے ہوئے فرماتا ہے کہ انہیں چاہیئے تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے انتظار میں ٹھہر جاتے اور جب آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم مکان سے باہر نکلتے تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے جو کہنا ہوتا، کہتے۔ نہ کہ آوازیں دے کر باہر سے پکارتے۔ دین اور دنیا کی بہتری اور مصلحت اسی میں تھی۔

پھر گویا اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ ایسے لوگوں کو توبہ واستغفار کرنا چاہیئے کیونکہ خدا بخشنے والا، مہربان ہے۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ کچھ عرب جمع ہوئے اور کہنے لگے کہ ہمیں اس شخص کے پاس لے چلو، اگر وہ سچا نبی ہے تو سب سے زیادہ اس سے سعادت حاصل کرنے کے مستحق ہم ہیں اور اگر وہ بادشاہ ہے تو ہم اس کے پروں تلے پل جائیں گے، میں نے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا پھر وہ لوگ آئے اور حجرے کے پیچھے سے آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کو پکارنے لگے، اس پر یہ آیت اتری۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا کان پکڑ کر فرمایا اللہ تعالیٰ نے تیری بات سچی کر دی، اللہ تعالیٰ نے تیری بات سچی کر دی۔

سورۃ الحشر: آیت نمبر۲۲:

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ۝

ترجمہ:

وہی اللہ تعالیٰ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ۔پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ۔وہ بڑا مہربان ہے نہایت رحم والا ہے۔

تشریح:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات بیان کی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوانہ تو کوئی پالنے اور پرورش کرنے والا ہے اور نہ اس کے سوا کسی کی ایسی نشانیاں ہیں کہ اس کی اس قسم کی کوئی عبادت کرے، اس کے سوا جن کی لوگ پرستش اور پوجا کرتے ہیں وہ سب باطل ہیں۔اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے باخبر ہے۔وہ ہر چیز کے متعلق جانتا ہے، خواہ وہ چھپی ہوئی ہو یا ظاہر ۔اللہ تعالیٰ ذہنوں میں ابھرنے والے خیالات اور دلوں کے بھیدوں سے بھی خوب واقف ہے۔وہ ہر وقت، ہر کسی پر نظر رکھے ہوئے ہے۔کوئی کام چاہے کتنا بھی چھپ کر کیا جائے، اس ذاتِ باری تعالیٰ سے نہیں چھپ سکتا۔مگر اللہ تعالیٰ رحمٰن ورحیم بھی ہے، وہ کسی کے بھید دوسروں پر ظاہر نہیں کرتا۔ وہ تمام کائنات کا علم رکھنے والا ہے، جو چیزیں ہم پر ظاہر ہیں اور جو چیزیں ہم پر پوشیدہ ہیں سب اس پر عیاں ہیں، خواہ آسمان میں ہوں خواہ زمین میں ہوں، خواہ چھوٹی ہوں خواہ بڑی ہوں، یہاں تک کہ آندھیوں کے ذرّے بھی اس پر عیاں ہیں۔اللہ تعالیٰ رحمٰن ورحیم ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہونے کے اور اپنے بندوں کے تمام بھید جاننے کے باوجود انہیں کسی پر عیاں نہیں کرتا وہ اتنی بڑی وسیع رحمت والا ہے کہ اس کی رحمت تمام مخلوق پر شامل ہے، وہ دنیا اور آخرت میں رحمٰن بھی ہے اور رحیم بھی ہے۔قرآن مجید میں ایک اور جگہ ہے کہ:

ترجمہ: ”میری رحمت نے تمام چیزوں کو گھیر لیا ہے“۔(اعراف: آیت156)

ایک اور جگہ فرمان ہے۔

ترجمہ: ”تمہارے رب نے اپنے آپ پر رحمت فرمانا لازم کر لیا ہے“۔(انعام: آیت54)

اور فرمان ہے۔

ترجمہ: ”کہہ دو اللہ تعالیٰ کے فضل ورحمت کے ساتھ ہی خوش ہو جانا چاہیئے تمہاری جمع کردہ چیز سے بہتر یہی ہے“۔(یونس: آیت58)

آیت نمبر۲۳:

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝

ترجمہ:

وہی اللہ تعالیٰ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ۔بادشاہِ حقیقی ہر عیب سے پاک سلامتی دینے والا امن دینے والا نگہبان غالب زبردست بڑائی والا۔اللہ تعالیٰ مشرکوں کے شرک سے پاک ہے۔

تشریح:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مختلف صفاتی نام بیان کیے ہیں اور اس مالک رب معبود کے سوا اور کوئی ان اوصاف والا نہیں، تمام چیزوں کا تنہا وہی مالک ومختار ہے، سب پر قبضہ اور تصرف رکھنے والا بھی وہی ہے۔کوئی نہیں جو اس کی مدافعت یا مزاحمت کر سکے یا اسے ممانعت کر سکے، وہ قدوس ہے یعنی طاہر ہے، مبارک ہے، ذاتی اور صفاتی نقصانات سے پاک ہے، تمام بلند مرتبہ فرشتے اور سب کی سب اعلیٰ مخلوق اس کی تسبیح وتقدیس میں علی الدوام مشغول ہے۔کل عیبوں اور نقصانوں سے منزہ اور مبراء ہے۔اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں، اپنے افعال میں بھی اس کی ذات ہر طرح کے نقصانات سے پاک ہے، وہ مومن ہے یعنی تمام مخلوق کو اس نے اس بات سے بےخوف رکھا ہے کہ ان پر کسی قسم کا کسی وقت اپنی طرف سے ظلم ہو، اس نے یہ فرما کر کہ وہ حق ہے؛ سب کو امن دے رکھا ہے۔اپنے ایمان دار بندوں کے ایمان کی تصدیق کرتا ہے۔وہ مہیمن ہے یعنی اپنی تمام مخلوق کے اعمال کا ہر وقت یکساں طور پر شاہد ہے اور نگہبان ہے۔مہیمن کے مختلف معانی بیان ہوئے ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ وہ تمام مخلوقات کا نگہبان ہے اور سب کی حفاظت کرنے والا وہی ہے۔دوسرا معنی یہ ہے کہ اس نے تمام مخلوقات کی ضروریات اور حاجات پوری کرنے کا ذمہ لیا ہے ،تیسرا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر ذی روح کو دیکھ رہا ہے کہ کون کیا کر رہا ہے؟ مہیمن سے مجموعی طور پر یہ بات پتہ چلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کی نگرانی، نگہبانی اور حفاظت کر رہا ہے اور کائنات کے تمام جانداروں کی ضروریات کی فراہمی کا ذمہ اس نے لے رکھا ہے۔اللہ تعالیٰ سب سے بڑی طاقت ہے اور وہ ایسی زبردست ہستی ہے کہ جس کے مقابلہ میں کوئی سر نہیں اٹھا سکتا اور اس کے فیصلوں کی مزاحمت کرنا کسی کے بس میں نہیں۔وہ عظیم الشان طاقت اور قدرت رکھنے والا ہے، کوئی اس کے سامنے کچھ نہیں کر سکتا۔وہ جو چاہتا ہے، وہی کرتا ہے۔اس

CamScanner

کے ارادے سے اس کو کوئی نہیں ہٹا سکتا۔ وہی سب سے بڑا ہے، باقی سب اس کے سامنے ہیچ ہیں۔ بڑائی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے جو بلند شان اور عظمت والا ہے۔

آیت نمبر۲۴

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۭ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

ترجمہ:

وہی اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کا خالق۔ ایجاد واختراع کرنے والا صورتیں بنانے والا اس کے سب اچھے سے اچھے نام ہیں۔ جتنی چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اس کی تسبیح کرتی رہتی ہیں۔ اور وہ غالب ہے حکمت والا ہے۔

تشریح:

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ اپنی شان وعظمت اور کبریائی کے بارے میں بتارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہی ہے جو اس کائنات کی ہر چیز کو وجود میں لاتا ہے۔ ان میں انسان وحیوان کے علاوہ نباتات وجمادات شامل ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ہی قدرتِ کاملہ ہے کہ وہ اپنے ایک ہی حکم سے ہر چیز کو پیدا فرمادیتا ہے۔ اس نے ہر چیز کو بہترین صورت عطا کی ہے اور بہت سی خوبیوں سے نوازا ہے۔ اس کائنات کی کوئی بھی چیز فالتو اور فضول نہیں ہے۔ نیز کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور پاکی کا اعتراف کرتے ہوئے اس کی بڑائی بیان کرتی ہے۔ اس عمل میں صرف جاندار ہی شامل نہیں بلکہ نباتات وجمادات بھی اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور بڑائی بیان کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے بہت سے صفاتی نام ہیں جن میں سے درج ذیل ننانوے نام زیادہ مشہور ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں۔ جو انہیں شمار کر کے یاد رکھے گا، وہ جنت میں داخل ہوگا۔ وہ نام یہ ہیں۔

اَلرَّحمٰنُ ، اَلرَّحِيمُ ،اَلمَلِكُ ، اَلقُدُّوسُ، اَلسَّلام، اَلمُؤمِن، اَلمُهَيمِن، اَلعَزِيز، اَلجَبَّار، اَلمُتَكَبِّر، اَلخَالِق، اَلبَارِئ، اَلمُصَوِّر ،اَلغَفَّار، اَلقَهَّار، اَلوَهَّاب، اَلرَّزَّاق، اَلفَتَّاح، اَلعَلِيم، اَلقَابِض، اَلبَاسِط، اَلخَافِض، اَلرَّافِع، اَلمُعِزّ، اَلمُذِلّ ،اَلسَّمِيع، اَلبَصِير ،اَلحَكَم ،اَلعَدل، اَللَّطِيف ،اَلخَبِير، اَلحَلِيم، اَلعَظِيم، اَلغَفُور، اَلشَّكُور ،اَلعَلِيّ، اَلكَبِير، اَلحَفِيظ، اَلمُقِيت، اَلحَسِيب، اَلجَلِيل، اَلكَرِيم، اَلرَّقِيب، اَلمُجِيب، اَلوَاسِع، اَلحَكِيم، اَلوَدُود، اَلمَجِيد، اَلبَاعِث، اَلشَّهِيد،اَلحَقّ، اَلوَكِيل، اَلقَوِيّ ، اَلمَتِين، اَلوَلِيّ، اَلحَمِيد، اَلمُحصِي، اَلمُبدِي، اَلمُعِيد، اَلمُحي، اَلمُمِيت، اَلحَيّ ، اَلقَيُّوم، اَلوَاجِد ،اَلمَاجِد، اَلوَاحِد، اَلصَّمَد،اَلقَادِر، اَلمُقتَدِر، اَلمُقَدِّم، اَلمُؤَخِّر، اَلاَوَّل ،اَلآخِر، اَلظَّاهِر ،اَلبَاطِن، اَلوَالِي، اَلمُتَعَالِ ، اَلبَرّ ،اَلتَّوَّاب ،اَلمُنتَقِم ،اَلعَفُوّ، اَلرَّؤُوف، مَالِكُ المُلك، ذُوالجَلَالِ وَالاِكرَام، اَلمُقسِط ،اَلجَامِع، اَلغَنِيّ ، اَلمُغنِيُ، اَلمَانِع ،اَلضَّارّ، اَلنَّافِع، اَلنُّور، اَلهَادِي، اَلبَدِيع، اَلبَاقِي، اَلوَارِث، اَلرَّشِيد ، اَلصَّبُور. (مشکوٰۃ)

سورۃ التغابن: آیت نمبر۱ اور ۲:

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

ترجمہ:

جو چیز آسمانوں میں ہے اور جو چیز زمین میں ہے سب اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے۔ اسی کی سچی بادشاہی ہے اور اسی کی تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہی تو ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر کوئی تم میں کافر ہے اور کوئی مومن۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو دیکھتا ہے۔

تشریح:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ حمد وثناء کے لائق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، ہر چیز پر اس کی حکومت ہے اور ہر چیز کا اندازہ مقرر کرنے میں وہ لائق تعریف ہے، وہ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اسے پورا کرنے کی طاقت وقدرت رکھتا ہے۔ کوئی چیز نہ اسے کام کرنے سے روک سکتی ہے اور نہ مزاحمت کرسکتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو کچھ بھی نہیں ہوسکتا۔ وہی تمام مخلوقات کا خالق ہے۔ پھر بھی بعض انسان کافر ہوئے اور بعض مومن۔ وہ بخوبی جانتا ہے کہ مستحقِ ہدایت کون ہے اور مستحقِ ضلالت کون۔ وہ اپنے بندوں کے اعمال پر شاہد ہے اور ہر ہر عمل کا پورا پورا بدلہ دے گا۔

آیت نمبر۳ اور ۴:

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ۝
يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ
بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۝

ترجمہ:

اسی نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا اور اسی نے تمھاری صورتیں بنائیں اور صورتیں بھی اچھی بنائیں اور اسی کی طرف تمہیں لوٹ کر جانا ہے۔O جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب جانتا ہے۔ اور جو کچھ تم چھپا کر کرتے ہو اور جو کھلم کھلا کرتے ہو اس سے بھی آگاہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ دلوں کے بھیدوں تک سے واقف ہےO

تشریح:

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان اور انسانوں کی پیدائش کے متعلق بیان کیا ہے۔ اسی نے عدل و حکمت کے ساتھ آسمان و زمین کی پیدائش کی ہے۔ اسی نے تمہیں پاکیزہ اور خوبصورت شکلیں دے رکھی ہیں۔ جیسا کہ ایک اور جگہ ارشاد ہے:

ترجمہ: ''اے انسان! تمہیں کس چیز نے تیرے رب کریم سے غافل کر دیا، اسی نے تجھے پیدا کیا پھر درست کیا پھر ٹھیک ٹھاک کیا اور جس صورت میں چاہا تجھے ترکیب دے دیا''۔ (الانفطار: ٦ تا ٧)

اسی طرح ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو قرار گاہ اور آسمان کو چھت بنایا اور تمہیں بہترین صورتیں دیں اور پاکیزہ چیزیں کھانے کو عنایت فرمائیں، آخر سب کو اسی کی طرف لوٹنا ہے، آسمان و زمین اور ہر نفس اور کل کائنات کا علم اسے حاصل ہے یہاں تک کہ دل کے ارادوں اور پوشیدہ باتوں سے بھی وہ خوب واقف ہے۔ (المؤمن: ٦۴)

سورۃ الکوثر: آیت نمبر۱:

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ۝

ترجمہ:

اے نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہم نے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو کوثر یعنی بہت زیادہ بھلائی عطا فرمائی ہے۔

تشریح:

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شان و عظمت بیان کرتے ہیں اور اس خاص انعام و اکرام کا تذکرہ کرتے ہیں جس سے کسی اور نبی کو نہ نوازا گیا۔ فرمایا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم! ہم نے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو کوثر عطا فرمایا۔

کوثر کثرت سے ہے۔ اس کے متعدد معنی بیان کیے گئے ہیں۔ ابنِ کثیر نے ''خیرِ کثیر'' کے مفہوم کو ترجیح دی ہے کیوں کہ اس میں ایسا عموم ہے کہ جس میں دوسرے معانی بھی آجاتے ہیں۔ مثلاً صحیح احادیث میں بتلایا گیا ہے کہ اس سے ایک نہر مراد ہے جو جنت میں آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو عطا کی جائے گی۔ اس طرح بعض احادیث میں اس کا مصداق حوض بتایا گیا ہے، جس سے اہلِ ایمان جنت میں جانے سے قبل پانی پیئیں گے۔ اس حوض میں بھی پانی اسی جنت والی نہر سے آرہا ہوگا۔ اسی طرح دنیا کی فتوحات اور آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ارفع و اعلیٰ مقام، ذکر اور آخرت کا اجر و ثواب، سب ہی چیزیں ''خیرِ کثیر'' میں آجاتی ہیں۔

آیت نمبر ۲:

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۝

ترجمہ:

تو اپنے پروردگار کے لیے نماز پڑھا کرو اور قربانی کیا کرو۔

تشریح:

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے کہ اے نبی! ہم نے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو ''کوثر'' کے انعام و اکرام سے نوازا ہے تو اس کے بدلے میں آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اپنے پروردگار کے حضور نماز اور قربانی ادا کرو۔ یعنی نماز بھی صرف ایک اللہ کے لیے ہے اور قربانی بھی صرف ایک اللہ کے نام پر۔ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کسی کے آگے جھکنا اور نہ نیاز مانگنا۔

''نحر'' کے اصل معنی ہیں اونٹ کے حلق میں نیزہ یا چھری مار کر اسے ذبح کرنا۔ دوسرے جانوروں کو زمین پر لٹا کر ان کے گلوں پر چھری پھیری جاتی ہے اسے ذبح کرنا کہتے ہیں۔ لیکن یہاں نحر سے مراد مطلق قربانی ہے، علاوہ ازیں اس میں بطور صدقہ و خیرات جانور قربان کرنا، حج کے موقع پر منیٰ میں اور عیدالاضحیٰ کے موقعے پر قربانی کرنا، سب شامل ہیں۔

آیت نمبر۳

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَالْاَبْتَرُ ۝

ترجمہ:

کچھ شک نہیں کہ تمہارا دشمن بے نام رہے گا۔

تشریح:

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دشمنوں کے طنز اور تلخ جملوں کا جواب دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بے شک آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا دشمن بے نسل ہوگا یعنی اس کی نسل آگے نہیں بڑھے گی اور وہ بے نام ونشان رہے گا۔

ابتر ایسے شخص کو کہتے ہیں جس کی نسل کا خاتمہ ہوجائے یا اس کا کوئی نام لیوا باقی نہ رہے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اولاد نرینہ نہ رہی تو بعض کفار نے نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو ابتر کہا، جس پر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو تسلی دی کہ ابتر تو نہیں، تیرے دشمن ہی ہوں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی نسل کو باقی رکھا گو کہ اس کا سلسلہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی صاحبزادی کی طرف سے ہی ہے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی امت بھی آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اولاد معنوی ہی ہے، جس کی کثرت پر آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم قیامت والے دن فخر کریں گے، علاوہ ازیں آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ذکر پوری دنیا میں نہایت عزت واحترام سے کیا جاتا ہے، جبکہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے بغض وعناد رکھنے والے صرف صفحاتِ تاریخ پر ہی موجود رہ گئے ہیں لیکن کسی دل میں ان کا احترام نہیں اور کسی زبان پر ان کا ذکر نہیں۔

مشق

سوال نمبر1۔ درج ذیل سوالات کے تفصیلی جواب دیں۔

الف۔ بعث بعد الموت پر تفصیلی نوٹ لکھیں۔

ب۔ نیکوکاروں کے لیے کیا بدلہ ہے؟ قرآنی آیت کی روشنی میں بیان کریں۔

ج۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو ہدایت کی کتاب اور دینِ حق دے کر مبعوث کیا۔ وضاحت کریں۔

د۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بارگاہ کے آداب کے بارے میں کیا نصیحت کی ہے۔ قرآن مجید کی روشنی میں بیان کریں۔

سوال نمبر2۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں۔

الف۔ عالم الغیب سے کیا مراد ہے؟

ب۔ آداب نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے متعلق کوئی آیت بمعہ ترجمہ لکھیں۔

ج۔ کوئی سے دس اسماء الحسنیٰ تحریر کریں۔

د۔ کوثر سے کیا مراد ہے؟

ہ۔ مومنین آپس میں کس طرح کا رویہ رکھتے ہیں؟

و۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے پہلے بولنے والوں کا کیا انجام ہوگا؟

ز۔ ''ابتر'' کسے کہتے ہیں؟

سرگرمی

معلم/معلمہ، طلباء/طالبات کے درمیان قرآن خوانی (قرأت) کا مقابلہ کروائے۔

CamScanner

باب پنجم

حدیث وسنت

تدریسی مقاصد

اس سبق کے پڑھنے کے بعد طلبہ / طالبات اس قابل ہوجائیں گے کہ:
وہ حدیث کی حفاظت کے اہتمام سے آگاہ ہوسکیں اور علوم حدیث کی ضروری اصطلاحات، مشہور کتب حدیث کی اہمیت وافادیت اور اصول حدیث کے اساسی قوانین سے باخبر ہوسکیں تاکہ مجوزہ احادیث کا بااعتماد ترجمہ اور ضروری تشریح کرسکیں۔

1. جمع وتدوینِ حدیث

قرآن الفاظ ومعانی دونوں کے مجموعے کا نام ہے اور حدیثِ نبوی قرآنی الفاظ کے معانی کا ہی نام ہے۔ قرآن کے معانی کی حفاظت کے بغیر الفاظِ قرآنی کی حفاظت بے معنی ہے۔ اسلیے جب ہمیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ خبر دی جاتی ہے کہ قرآن کی حفاظت اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے تو اس کا یہی مطلب ہے کہ قرآنی الفاظ اپنے معانی سمیت اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہیں یعنی قرآن مجید، احادیثِ نبوی سمیت اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہے۔ حدیث کی تدوین کا معاملہ قرآن کی جمع وتدوین کے معاملے سے بہت ہی مشابہت رکھتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور پر نظر کرنے والا یہ نتیجہ نہیں نکال سکتا کہ قرآن پہلے محفوظ نہیں تھا یا پھر ان کے زمانے میں محفوظ ہوا۔ حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جو الفاظ جمعِ قرآن کے متعلق تھے اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو الفاظ حدیث کی جمع کے متعلق کہے تھے اگر ان دونوں کو پاس پاس رکھیں تو بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ دونوں جگہ حفاظت و کتابت اور تدوین کے انتظامات کی ضرورت اس وقت محسوس ہوئی جب ان کی حفاظت کو خطرہ پیدا ہوا۔ ورنہ قرآن اور حدیث ابتدائی دور میں اہلِ اسلام کی زندگی کا اس طرح جزو بنے ہوئے تھے کہ ان کی حفاظت کے لیے انہیں کسی اہتمام کی ضرورت نہ تھی۔ جب جنگ یمامہ میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک بڑی تعداد شہید ہوجانے کی وجہ سے قرآن کی حفاظت میں خلل پڑنے کا خطرہ محسوس ہونے لگا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ یہ تھے۔

''جنگِ یمامہ میں حفاظ کرام جس طرح شہید ہوئے ہیں۔ خدانہ کرے اگر کہیں آئندہ اسی طرح حفاظ قتل ہوتے رہے تو مجھے خطرہ ہے کہ کہیں قرآن مجید کا بہت سا حصہ ضائع نہ ہوجائے۔ اس لیے قرآن مجید جمع کرنے کا سرکاری طور پر انتظام کیجئے۔''

اسی طرح حفاظتِ حدیث کے سلسلے میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ فرمان لکھا کہ:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی احادیث تلاش کر کے لکھ لو کیونکہ مجھے آئندہ علم کم ہوجانے اور علماء کے اٹھ جانے کا اندیشہ لگا رہتا ہے''۔

آپ حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وہ الفاظ تقریباً نوے سال بعد کے ان الفاظ کے پہلو بہ پہلو رکھیے۔ وہاں بھی الٰہی حفاظت کے وعدہ نے حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارادہ میں تحریک پیدا کی تھی اور یہاں بھی وہی وعدہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس کام کا سبب بنا۔

جمع وتدوینِ حدیث سے مراد ہے ''ذخیرہ احادیث کو اکٹھا کرنا اور کتابی شکل دینا''۔ اس کو ہم سہولت کے لیے چار ادوار میں تقسیم کرسکتے ہیں۔

عہدِ نبوی میں کتابت وتدوینِ حدیث:

نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کو اپنے ارشادات واعمال کی حفاظت خاص طور پر ملحوظ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے کئی موقعوں پر تلقین فرمائی کہ جو حاضر ہیں وہ یہ علمِ دین ان تک پہنچائیں جو غیر حاضر ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے ایک مرتبہ دعا فرمائی ''اللہ تعالیٰ اس بندے کا چہرہ بارونق رکھے جس نے میری بات سن کر یاد رکھی پھر اسے دوسروں تک پہنچایا۔'' تابعین نے تبع تابعین تک حتیٰ کہ یہ ذخیرہ ہم تک پہنچایا۔

عہدِ نبوی میں حفاظتِ حدیث کے دو طریقے تھے، ایک حافظہ اور دوسرا کتابت۔ عرب کے لوگوں کا حافظہ بہت اچھا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے زمانے میں حفاظتِ حدیث کی صورت یہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کا ہر ارشاد سن کر یاد رکھنا یا سننے والوں سے پوچھ کر یاد رکھنا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے ہر فعل اور نمونے کو دیکھنا اور نمونے کے مطابق عمل کرنا اور دوسروں تک پہنچانا۔ یہی حدیث کی حفاظت کا فطری طریقہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی حدیثیں اکثر وبیشتر زبانی یاد رکھی جاتی تھیں کتابت کا رواج بہت کم تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے کتابت کا رواج عام کردیا۔ ابتدائے نزولِ قرآن میں آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے حکم دیا کہ قرآن مجید کے ساتھ کوئی اور چیز کتابت میں شامل نہ کی جائے۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں قرآن اور غیر قرآن کا شعور پیدا ہوگیا تو آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے

کتابتِ حدیث کی اجازت دے دی۔ چنانچہ عہدِ رسالت میں کتابتِ حدیث کی داغ بیل پڑ گئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے بعض احادیث خود لکھوا کر بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دیں اور بعض صحابہ نے اپنے ذاتی استعمال اور یادداشت کے لیے حدیثیں لکھیں۔

- ★ آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک مختصر سا رسالہ لکھ کر دیا اس میں ذمیوں کے احکام وغیرہ تھے۔
- ★ آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے عمرو بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو صدقات وغیرہ کے متعلق احکام لکھوا کر دیے تھے۔
- ★ فتحِ مکّہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے عظیم الشان خطبہ ارشاد فرمایا۔ ابو شاہ یمنی کی درخواست پر آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے انہیں مکمل لکھوا کر حوالہ کیا۔

اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے کئی تاریخی دستاویزات لکھوائیں جن کا ذکر کتبِ حدیث میں موجود ہے مثلاً

- ★ آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے صلح حدیبیہ کی شرائط لکھوا کر سہیل بن عمرو کو دی تھیں اور ایک نقل اپنے پاس رکھی تھی۔
- ★ آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے مختلف بادشاہوں اور حکمرانوں کو خطوط لکھ کر اسلام کی دعوت دی۔ اس کو حدیث کی کتابوں میں روایت کیا گیا اور جب ان میں سے کئی خطوط دستیاب ہوئے تو اصل اور نقل میں ذرہ برابر فرق نہ پایا گیا۔

خلاصہ یہ کہ اس قسم کی سینکڑوں روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ حدیث کا بڑا سرمایہ خود عہدِ نبوی میں جمع ہو چکا تھا۔

عہدِ خلفائے راشدین میں کتابت وتدوینِ حدیث:

جمع وتدوینِ حدیث کا دوسرا دور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ذاتی مجموعے سے شروع ہوتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے وفات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے درس وتدریس کے ذریعے اور حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی عملی زندگی کی پیروی کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے علم کو دور دور تک پہنچایا۔ بے شمار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حدیثِ نبوی کو اپنے سینوں میں محفوظ کر لیتے تھے اور ان میں سے کئی حضرات حدیثوں کو لکھ بھی لیتے تھے، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سیرت اور اقوال وافعال کی حفاظت کا اہتمام جس انداز سے کیا اس کے صرف چند نمونے پیش کیے جاتے ہیں۔

- ★ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اپنا لکھا ہوا ایک مجموعہ احادیث تھا جس میں پانچ سو احادیث لکھی ہوئیں تھیں۔
- ★ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی روایات لکھ لیا کرتے تھے چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ کی تلوار کی میان میں احادیث کا ایک مجموعہ تھا جسے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کی درخواست پر لکھ کر دکھایا۔
- ★ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایات کو ان کے ایک شاگرد ہمام بن منبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جمع کیا تھا۔ یہ مجموعہ صحیفہ ہمام بن منبہ کے نام سے چھپ چکا ہے۔
- ★ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اجازت سے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تمام احادیث لکھ لیا کرتے تھے۔ انہوں نے اس مجموعہ احادیث کا نام "صحیفہ صادقہ" رکھا ہوا تھا۔ مجاہد تابعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے دیکھا اور ان کے پوتے عمرو بن شعیب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس موجود رہا۔
- ★ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھی اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک مجموعہ احادیث موجود تھا۔

ان چند تحریروں کے علاوہ اور بہت سے نوشتوں کا ثبوت ملتا ہے مگر یہ فصلوں اور بابوں میں منقسم نہ تھے جس سے بعض لوگ یہ سمجھ بیٹھے کہ احادیث کی تدوین صدیوں بعد ہوئی۔

عہدِ تابعین اور تبع تابعین میں کتابت وتدوینِ حدیث:

جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اس دنیا سے رخصت ہوتے جا رہے تھے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو دیکھنے والے اور اپنے کانوں سے رسول کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی باتیں سننے والے ختم ہو رہے تھے تو ضرورت محسوس ہوئی کہ ان مشاہدات اور سنی ہوئی باتوں کو تحریر کی شکل میں لایا جائے۔ چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عہد میں سرکاری طور پر حدیث کو باقاعدہ طور پر تحریری شکل میں محفوظ کرانے کی ابتداء ہوئی۔ تابعی وہ بزرگ کہلائے جنہیں اسلام کی حالت میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ملاقات اور صحبت نصیب ہوئی۔ تابعین حضرات نے اپنے شاگردوں کا جو مقدس گروہ چھوڑا اسے تبع تابعین کہا جاتا ہے۔ احادیث کے سیکھنے سکھانے کے سلسلے میں تابعین کی محبت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگردوں کی تعداد آٹھ سو تک پہنچتی ہے۔ شہر مدینہ میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے حدیث پڑھنے والوں کی تعداد ۳۵۵ تھی۔ تابعین میں حدیث لکھنے کا رواج عام ہو گیا تھا۔ یہ لوگ ایک ایک صحابیؓ کے گھر جا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی باتیں معلوم کرتے اور

لکھتے جاتے۔ بس یہی ان کا مقصدِ حیات اور شب و روز کا مشغلہ تھا۔ اموی خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تدوینِ حدیث کی تحریک کی۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی لکھوائی ہوئی حدیث کی کتاب ''الصدقۃ'' نقل کرا کے تمام علاقوں میں بھیج دی۔ ان کے حکم سے امام ابنِ شہاب زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ایک ایک بات کو لکھا۔ انہوں نے اس قدر احادیث جمع کی تھیں کہ اس ذخیرے کو کئی اونٹوں پر لاد کر لائبریری سے لایا گیا۔ متفرق تحریروں اور مسوّدات کو دوسری صدی کے نصف تک کتاب کی شکل دے دی گئی۔ اس دور میں امام مالک بن انس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا نام بہت ہی نمایاں ہے۔ ان کا مشہور مجموعہ احادیث ''المؤطا'' اسی دور سے تعلق رکھتا ہے۔ اس دور میں حدیث کے ساتھ سند لکھنا شروع کیا گیا یعنی ہر حدیث کے ساتھ یہ بھی لکھا جاتا تھا کہ یہ حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے جس نے سنی اور اس نے آگے کس کس سے بیان کی۔ اس کے بعد تدوینِ حدیث عام ہو گئی اس عہد میں حدیث کا علم ایک فن بن گیا۔

2. مشہور کتبِ حدیث اور ان کے مصنفین کا تعارف

تدوین حدیث۔ اولین مجموعے

تیسری صدی کے مشہور اور عظیم علماء حدیث نے بڑی چھان بین، تحقیق اور محنت کے بعد حدیثِ نبوی کی کتب تالیف کیں جن میں مستند ترین اور ''متواتر'' احادیث شامل کی گئی تھیں۔ اتنی صدیاں گزر جانے کے بعد آج کے دور میں بھی ان کی اہمیت مسلّم ہے۔

ان کے بعد حدیث کی جتنی بھی کتب تالیف ہوئیں، ان کی بنیاد یہی چھ کتب ہیں، جن کے نام درج ذیل ہیں۔

۱۔ صحیح بخاری	۲۔ صحیح مسلم	۳۔ جامع ترمذی
۴۔ سنن ابی داوٗد	۵۔ سنن نسائی	۶۔ سنن ابنِ ماجہ

ان میں سے تین کتب صحیح بخاری، صحیح مسلم اور جامع ترمذی ''جامع'' کہلاتی ہیں۔ جو عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق وغیرہ کے عنوانات پر حاوی ہیں۔ بقیہ تین تالیفات یعنی سنن ابو داوٗد، سنن نسائی، اور سنن ابنِ ماجہ ''سنن'' کہلاتی ہیں اور وہ صرف معاملات یعنی عملی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں۔

ذیل میں صحاحِ ستہ اور دیگر اہم کتب حدیث کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ صحیح بخاری

صحیح بخاری حدیثِ نبوی کی سب سے مستند کتاب مانی جاتی ہے۔ اس کتاب کا پورا نام ''الجامع الصحیح المسند المختصر من امور رسول اللّٰہ و سننه و ایامه'' ہے۔ اس کتاب میں تقریباً 7572 احادیثِ نبوی شامل کی گئی ہیں۔ روئے زمین پر صحیح بخاری کو قرآن مجید کے بعد مستند ترین کتاب مانا جاتا ہے۔ مختلف علماء کرام نے صحیح بخاری کی تشریحات لکھی ہیں جنہیں ''شروح'' کہتے ہیں۔ ان کی تعداد 53 سے زائد ہے۔

مؤلف:

اس کتابِ حدیث کے مؤلف کا نام امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہے۔ آپؒ 192 ہجری بمطابق 810 عیسوی کو بخارا میں پیدا ہوئے۔ آپ نے حدیث کا علم 205 ہجری میں حاصل کرنا شروع کیا۔ علمِ حدیث حاصل کرنے کے لیے آپ نے بہت سے دور دراز کے ممالک کا سفر کیا۔ 12 سال مختلف ممالک میں علمِ حدیث حاصل کرنے کے بعد آپ وطن واپس آ گئے اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے۔ آپ نے 256 ہجری بمطابق 870 عیسوی کو سمرقند میں وفات پائی۔

۲۔ صحیح مسلم

یہ مجموعہ احادیث امام مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تالیف ہے۔ قرآن مجید اور صحیح بخاری کے بعد صحیح مسلم دنیا کی سب سے مستند ترین کتاب مانی جاتی ہے۔ اس کتاب میں تقریباً 4000 احادیثِ نبوی شامل کی گئی ہیں جنہیں امام مسلم نے بڑی محنت اور تحقیق و تنقید کے بعد شامل کیا ہے۔

مؤلف:

امام مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نیشاپور، ایران میں 206 ہجری بمطابق 821 عیسوی کو پیدا ہوئے۔ صحیح مسلم میں شامل کرنے کے لیے آپ نے تین لاکھ احادیث میں سے مستند ترین احادیث منتخب کیں۔ آپ 261 ہجری بمطابق 875 عیسوی کو نیشاپور میں ہی فوت ہوئے۔

بخاری و مسلم کا پایہ فنِ حدیث میں اس قدر بلند ہے کہ حدیث کے سلسلے میں جہاں شیخین کا ذکر آئے وہاں یہی دو امام مراد ہوتے ہیں۔ صحیح بخاری و مسلم کو ''صحیحین'' کہا جاتا ہے۔ جو حدیث بخاری و مسلم دونوں میں موجود ہو اسے ''متفق علیہ'' کہتے ہیں۔

۳۔ جامع ترمذی

اس کتاب کوامام ابوعیسیٰ محمد ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تالیف کیا۔جامع ترمذی ان کی مشہوراور مقبول تصنیف ہے جواپنی جامعیت،صحت، تحقیق اور تنقید کے اعتبار سے بہت مشہور ہے۔خودامام صاحب کا خیال تھا کہ جس گھر میں یہ کتاب ہوگویا خوداس گھر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود ہیں جوتکلم فرماتے ہیں۔امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کتاب میں دو حدیثوں کے علاوہ کوئی حدیث ایسی نہیں جس پرامت میں کسی نہ کسی کا عمل نہ ہو۔جامع ترمذی صرف حدیثوں کا مجموعہ ہی نہیں بلکہ فقہ کی کتاب بھی ہے۔اس کتاب میں حدیثوں کی تعداد صحیحین کے مقابلے میں کم ہے اگرچہ یہ کتاب اپنے حجم کے اعتبار سے مختصر ہے لیکن فوائد کے لحاظ سے بہت بڑی کتاب ہے۔مجموعی فوائد کے لحاظ سے اس کتاب کوتمام کتابوں پر فوقیت دی گئی ہے۔آئمہ حدیث کے نزدیک بخاری ومسلم کے بعد جامع ترمذی کا درجہ ہے۔ترتیب اور تہذیب کے اعتبار سے کتاب بڑی مفید ہے۔جامع ترمذی کئی اعتبار سے دوسری کتب حدیث پر سبقت رکھتی ہے۔علمائے حدیث کے نزدیک اس کتاب کو بڑی مقبولیت حاصل ہے۔مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ عربی زبان میں اس کتاب کی سولہ سے زائد شروح لکھی گئی ہیں۔

مؤلف:

امام ابوعیسیٰ محمد ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ترمذ (ترکستان) میں 209ھ میں پیدا ہوئے اور 279ھ میں وفات پائی۔امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بڑے اونچے درجے کے محدث تھے۔آپ رحمۃ اللہ علیہ کا حافظہ ضرب المثل تھا۔آپ نے کئی کتابیں تالیف کیں۔

۵۔ سنن نسائی

اس کتاب کے مولف امام عبدالرحمٰن بن شعیب نسائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں ۔اس کتاب میں عبادات اور احکام کی احادیث شامل کی گئی ہیں۔

مؤلف:

امام عبدالرحمٰن بن شعیب نسائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خراساں کے شہر نساء میں 215ھ میں پیدا ہوئے اور اسی نسبت سے نسائی مشہور ہوئے۔امام نسائی نے 303ھ میں وفات پائی۔ پہلے امام نسائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک بہت بڑی کتاب تصنیف کی۔بعد میں اس کتاب سے صرف صحیح حدیثوں کومنتخب کر کے موجودہ سنن کی شکل دی۔بعض آئمہ حدیث کے نزدیک نسائی علم حدیث کے ممتاز امام ہیں بعض دیگر محدثین امام نسائی کوحفظ حدیث میں امام مسلم سے بھی بڑا مانتے ہیں۔

NOT FOR SALE

۴۔ سنن ابی داؤد

اس کتاب کے مؤلف امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث بجستانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں۔ اس کتاب میں علمی احکام سے متعلق روایات کو کچھ ایسی جامعیت اور خوبی کے ساتھ یکجا کر دیا گیا ہے کہ ہر دور میں یہ قیمتی کتاب قانونی مسائل کا بہترین ماخذ تسلیم کی گئی ہے۔ علمائے حدیث نے سنن ابی داؤد کو بڑی قدرومنزلت کی نگاہ سے دیکھا اور علم دین میں اسے بہترین کتاب قرار دیا کیونکہ اس میں اصول علم،احکام فقہ اور سنتِ نبوی کا اہم جزو شامل ہے۔اس کتاب میں 4800 احادیث درج ہیں۔سنن ابی داؤد اپنے موضوع پر مکمل اور جامع کتاب ہے اس میں تفسیر بھی ہے اور تاریخ بھی اور فقہ وقانون اور جہاد وتبلیغ کا پیغام بھی۔یہ کتاب اپنی جامعیت اور قیمتی معلومات کے اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔

مؤلف:

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث بجستانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ 202 ہجری بمطابق 820 عیسوی کو پیدا ہوئے۔مختلف علماء سے علمِ حدیث حاصل کیا۔امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اپنا بیان ہے کہ میں نے پانچ لاکھ احادیث نبوی جمع کیں اوران میں سے 4800 صحیح حدیثیں منتخب کر کے اپنی اس کتاب میں درج کر دیں۔آپ نے 275 ہجری بمطابق 888 عیسوی میں وفات پائی۔

۶۔ سنن ابنِ ماجہ

اس کتاب کوامام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ قزوینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تالیف کیا۔آپ رحمۃ اللہ علیہ کا حافظہ اور معلومات مسلم ہیں۔یہ کتاب چار ہزار حدیثوں پر مشتمل ہے۔سنن ابن ماجہ کی ترتیب وتدوین میں دوسری کتب کے معیار کو مدنظر نہیں رکھا گیا ہے۔اسی لیے کئی بزرگوں نے اسے صحاح ستہ میں شمار نہیں کیا۔بعض علمائے حدیث نے اس کتاب کی جگہ موطا امام مالک کو اور بعض نے سنن دارمی کو صحاح ستہ میں شمار کیا ہے۔اس کے باوجود اس کی افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

مؤلف:

امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ قزوینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایران کے مشہور شہر قزوین میں 209ھ میں پیدا ہوئے اور اسی نسبت سے قزوینی کہلائے۔آپ رحمۃ اللہ علیہ نے 273ھ میں وفات پائی۔آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصانیف میں تفسیر قرآن، تاریخ اور سنن مشہور ہیں،لیکن آپ رحمۃ اللہ علیہ کی شہرت کا دارومدار سنن پر ہے۔ابن ماجہ بڑے معتبر محدثین میں سے تھے۔

NOT FOR SALE

CS CamScanner

۷۔ الکافی:

مشہور شیعہ علماء کے مطابق الکافی شیعوں کی سب سے زیادہ معتبر کتاب ہے۔اس کے مؤلف کا نام محمد بن یعقوب الکلینی ہے جو شیعوں کے بہت معتبر عالم مانے جاتے ہیں۔الکافی اُن احادیث پر مبنی ایک کتاب ہے جو شیعوں کے ائمہ کرا کی طرف منسوب ہیں۔ جیسے اہلِ سنت اپنی حدیث کی کتاب "صحیح بخاری" کو اہمیت دیتے ہیں اتنی ہی شیعوں میں اس کتاب کی اہمیت ہے۔ اہلِ سنت کے برعکس (جو البخاری کو صحیح بخاری کہتے ہیں) شیعہ الکافی کو صحیح الکافی نہیں کہتے۔

اس کتاب کے تین حصے ہیں: ★اصول الکافی ★فروع الکافی ★روضۃ الکافی

★ اصول الکافی:

یہ "الکافی" کا پہلا حصہ ہے۔اس حصے میں مذہب کے اصول بیان کیے گئے ہیں۔اس حصے کو آٹھ کتابوں میں تقسیم کیا گیا ہے جو دو جلدوں پر مشتمل ہے۔

★ فروع الکافی:

یہ "الکافی" کا دوسرا حصہ ہے۔اس حصے میں مذہب کے قوانین بیان کیے گئے ہیں۔یہ شیعوں کے مستند ترین مجموعہ احادیث میں سے ایک ہے۔اس میں 11,156 احادیث مبارکہ شامل ہیں اور یہ آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے۔

★ روضۃ الکافی:

یہ "الکافی" کا تیسرا حصہ ہے۔ یہ حصہ مختلف مذہبی پہلوؤں پر مشتمل ہے اور اس حصے میں ائمہ کی کچھ تحاریر بھی شامل ہیں۔

۸۔ تہذیب الاحکام:

اس کتاب کے مصنف کا نام شیخ الطائفہ ابو جعفر محمد بن حسن ہے، جن کو شیخ طوسی کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔آپ ۳۸۵ھ میں پیدا ہوئے اور آپ کی وفات ۴۶۰ھ میں ہوئی۔آپ کو شیعہ مکتبِ فکر میں نمایاں مقام حاصل ہے۔

تہذیب الاحکام شیعہ مکتبِ فکر کی احادیث اور روایات پر مشتمل ہے۔اس میں زیادہ تر احادیث اور روایات اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہیں۔شیخ طوسیؒ نے تہذیب الاحکام ایک مشہور کتاب "المقنعہ" کی وضاحت اور تشریح میں لکھی۔المقنعہ شیخ طوسی کے محترم استاد اور پیشوا شیخ مفید کی تصنیف ہے۔

تہذیب الاحکام میں شامل کردہ احادیث اور روایات زیادہ تر مذہبی قوانین پر مشتمل ہیں۔شیعہ مکتبِ فکر کے فقیہہ اور مجتہد اس کتاب کو بطور حوالہ جات استعمال کرتے ہیں۔اس کتاب میں شامل کردہ احادیث اور روایات کے ذرائع مستند اور قابلِ بھروسہ خیال کیے جاتے ہیں۔

3. اصطلاحاتِ حدیث

۱۔ متواتر:

خبر یا حدیث متواتر وہ حدیث ہے، جس میں مندرجہ ذیل چار شرائط پائی جائیں:

★ راویوں کی تعداد کم از کم چار ہو اور زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد نہیں۔یعنی محدث سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک ہر طبقے میں اس کی اتنی سندیں ہوں کہ عادتاً اتنے لوگوں کا عمداً یا اتفاقاً جھوٹ پر متفق ہو جانا محال ہو۔

★ سند کے ہر مرحلہ میں (ابتداء سے انتہا تک) رواۃ کی تعداد چار سے کم نہ ہو۔

★ راوی پر کذب (جھوٹ) کا اتہام نہ ہو۔

★ سننے والے کو اس سے یقینی علم حاصل ہو جائے۔اس میں راوی کے گمان اور عقل وتخیل کو دخل نہ ہو اور راوی کو اپنے بیان پر اطمینان ہو۔بالفاظِ دیگر اس خبر کے حصول کا ذریعہ انسانی حواسِ خمسہ ہوں جس میں چکھنا، سونگھنا، چھونا، سننا اور دیکھنا شامل ہیں۔

"خبر متواتر" کو قطعی صحت کی حامل قرار دیا جاتا ہے اور اس کی سند وغیرہ پر جرح نہیں کی جاتی۔

۲۔ خبر مشہور:

محدثین کی اصطلاح میں خبر مشہور سے مراد وہ حدیث یا روایت ہے جسے بیان کرنے والے تین یا زیادہ افراد ہوں اور یہ تعداد تمام طبقات میں اسی طرح قائم رہے۔

حدیث مشہور کی ایک اور قسم بھی ہے، جس کو مشہور عام کہا جاتا ہے۔یاد رہے کہ "مشہور" اس خبر کو بھی کہتے ہیں جو عامۃ الناس

CS CamScanner

کی زبانوں پر مشہور ہو لیکن متواتر کے حد کو نہ پہنچے۔

۳۔ خبرِ واحد:

خبرِ متواتر کے سوا باقی تمام روایات کو اخبار احاد یا خبرِ واحد کہا جاتا ہے۔ خبرِ واحد وہ حدیث ہے جس کے راویوں کی تعداد کسی مرحلے میں صرف ایک رہ گئی ہو یا جس میں عام توقع کے علاوہ کوئی بات پائی جائے۔ خبرِ واحد کی تین اقسام ہیں؛ خبرِ مشہور، خبرِ عزیز اور خبرِ غریب۔

۴۔ صحیح:

صحیح کی دو اقسام ہیں:

۱۔ صحیح لذاتہٖ: وہ حدیث یا روایت ہے جس کی سند راوی سے لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک متصل ہو، اس کے تمام راوی عادل اور ضابط ہوں، وہ اپنے جیسے راویوں سے نقل کریں اور یہ کیفیت سند کے شروع سے آخر تک قائم رہے، نیز اس میں کوئی انفرادیت یا کوئی مخفی علت نہ پائی جائے۔

۲۔ صحیح لغیرہٖ: جس کے راوی میں حفظ وضبط کی کمی ہو لیکن اس کو اس طرح یا اس سے قوی دوسری سند کے ساتھ روایت کیا گیا ہو۔

وہ حدیث یا روایت ہے جس کی سند راوی سے لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم تک متصل ہو، اس کے تمام راوی عادل اور ضابط ہوں، وہ اپنے جیسے راویوں سے نقل کریں اور یہ کیفیت سند کے شروع سے آخر تک قائم رہے، نیز اس میں کوئی انفرادیت یا کوئی مخفی علت نہ پائی جائے۔

۵۔ حسن:

حدیث حسن کی بھی دو اقسام ہیں:

۱۔ حسن لذاتہٖ: جس کی سند متصل ہو اور اس کے راوی عادل ہوں لیکن حفظ وضبط میں کمی ہو اور اس میں انفرادیت اور مخفی علت نہ پائی جائے۔

۲۔ حسن لغیرہٖ: یہ وہ ضعیف حدیث ہوتی ہے جس کے طرق روایت متعدد ہوں اور ضعف راوی فسق و کذب کی وجہ سے نہ ہو۔

۶۔ ضعیف:

جس میں صحیح کے اوصاف نہ پائے جائیں وہ ضعیف ہے مثلاً اس کا راوی ضعیف ہو یا عدالت سے بہرہ ور نہ ہو۔ یا درمیان میں سند کا سلسلہ ٹوٹ جائے یا اس کی سند میں کوئی مخفی علت ہو یا راوی کا حافظہ خراب ہو۔

4. منتخب احادیث (ترجمہ وتشریح)

حدیث نمبر۱:

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ (رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ) سَأَلْتُ النَّبِیَّ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ) أَيُّ الْعَمَلِ أَحَبُّ إِلَی اللّٰہِ؟ قَالَ: الصَّلٰوۃُ عَلٰی وَقْتِھَا. قَالَ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: ثُمَّ بِرُّ الْوَالِدَیْنِ. قَالَ: ثُمَّ اَیٌّ؟ قَالَ: الْجِھَادُ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ. قَالَ حَدَّثَنِیْ بِھِنَّ وَلَوِ اسْتَزَدْتُہٗ لَزَادَنِیْ.

(البخاری:کتاب الأدب)

ترجمہ:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کون سا عمل زیادہ محبوب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے وقت پر نماز پڑھنا، پھر پوچھا، اس کے بعد، فرمایا والدین کے ساتھ نیک معاملہ رکھنا، پوچھا اس کے بعد، فرمایا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے یہ تفصیل بتائی اور اگر میں اور سوالات کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم اور بھی بتلا دیتے۔

CamScanner

تشریح:

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ اعمال کے بارے میں بتایا گیا ہے۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے نزدیک درج ذیل پسندیدہ اعمال کا ذکر کیا ہے۔

ا۔وقت پر نماز کی ادائیگی:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وقت پر نماز کی ادائیگی کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ترین عمل قرار دیا ہے۔ اسلامی عبادات میں نماز کو بہت اہمیت حاصل ہے۔یہ اسلام کا ایسا رکن ہے جو ہر مسلمان پر خواہ وہ مرد ہو یا عورت، امیر ہو یا غریب، ہر حالت میں فرض ہے خواہ انسان تندرست ہو یا بیمار، کمزور ہو یا طاقتور، مقیم ہو یا مسافر، حالتِ جنگ میں ہو یا امن میں، غرض آدمی کے ہوش وحواس جب تک قائم رہتے ہیں، اس پر نماز فرض ہے؟

۲۔والدین کے ساتھ حسنِ سلوک:

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک دوسرا پسندیدہ ترین عمل والدین (یعنی ماں اور باپ) سے حسنِ سلوک کو قرار دیا گیا ہے۔والدین اس دنیا میں اولاد کے لیے اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہوتے ہیں۔ایک اور حدیث میں ماں کی فضیلت اس طرح بیان کی گئی ہے کہ "جنت ماں کے قدموں تلے ہے"۔اسی طرح باپ کی فضیلت کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جس نے اپنے باپ کے چہرے کی طرف پیار سے دیکھا، اسے ایک مقبول حج کا ثواب ملے گا"۔ایک اور حدیث میں ماں اور باپ کی فضیلت کو بیان کرتے ہوئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص پر لعنت فرمائی جس نے اپنے والدین میں سے کسی ایک کو یا دونوں کو پایا اور ان کی خدمت کر کے اپنے لیے جنت واجب نہ کرالی۔

جہاد فی سبیل اللہ:

اس حدیث میں تیسرا پسندیدہ ترین عمل جہاد فی سبیل اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کو قرار دیا گیا ہے۔اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔"جو لوگ اللہ تعالیٰ کے راستے میں مارے جائیں، انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق پا رہے ہیں مگر تمہیں اس کا شعور نہیں"۔اس آیتِ مبارکہ سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والوں اور اس میں شہید ہونے والوں کے مقام کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

NOT FOR SALE

حدیث نمبر۲:

عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ (رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ) قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ) أَلاَ اُنَبِّئُکُمْ بِأَ کْبَرِ الْکَبَائِرِ؟ قُلْنَا: بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ: اَلْاِ شْرَاکُ بِاللّٰہِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ وَکَانَ مُتَّکِئاً فَجَلَسَ فَقَالَ: اَلَا وَقَوْلُ الزُّوْرِ وَشَهَادَةُ الزُّوْرِ أَلاَ وَقَوْلُ الزُّوْرِ وَشَهَادَةُ الزُّوْرِ فَمَا زَالَ یَقُوْلُهَا حَتّیٰ قُلْتُ لَا یَسْکُتُ.

(البخاری: کتاب الأدب)

ترجمہ:

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں سب سے بڑا گناہ نہ بتاؤں؟ ہم نے عرض کیا ضرور بتایئے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت ٹیک لگائے ہوئے تھے، اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدھے بیٹھ گئے اور فرمایا آگاہ ہو جاؤ جھوٹی گواہی بھی اور جھوٹی بات بھی (سب سے بڑے گناہ ہیں) آگاہ ہو جاؤ جھوٹی گواہی بھی اور جھوٹی بات بھی۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے مسلسل دہراتے رہے اور یہاں تک کہ میں نے سوچا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش نہیں ہوں گے۔

تشریح:

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو سب سے بڑے گناہ کے بارے میں بتایا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے بڑا گناہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا ہے، یعنی شرک گناہِ کبیرہ ہے۔

دوسرا سب سے بڑا گناہ والدین کی نافرمانی ہے۔والدین اس دنیا میں اولاد کے لیے سب سے بڑی نعمت ہیں۔والدین کی ہر جائز بات ماننے کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا ہے، والدین کی خدمت میں اللہ تعالیٰ نے جنت رکھی ہے۔اسی طرح دوسری طرف والدین کی جائز باتوں میں نافرمانی سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے گویا والدین کی نافرمانی کو اللہ تعالیٰ کی

NOT FOR SALE

نافرمانی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

تیسرا سب سے بڑا گناہ جھوٹ بولنا ہے۔ جھوٹ بولنے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے اور وہ دنیا و آخرت میں ذلیل و خوار ہوتا ہے۔ ایک جھوٹ کو چھپانے کے لیے انسان کو دس مزید جھوٹ بولنے پڑتے ہیں اور اس طرح جھوٹ بولتے بولتے انسان جھوٹ کی دلدل میں پھنستا جاتا ہے جس کا نتیجہ آخر کار جہنم کی صورت میں نکلتا ہے۔

حدیث نمبر ۳:

عَنْ جُبَیْرِ بْنِ مُطْعِمٍ (رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ) قَالَ اَنَّہُ سَمِعَ النَّبِیَّ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ) یَقُوْلُ: لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ قَاطِعٌ. (البخاری: کتاب الأدب)

ترجمہ:

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

تشریح:

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قطع رحمی کرنے اور دوسروں سے تعلق توڑنے والے شخص کے متعلق بتایا ہے کہ وہ شخص کبھی بھی جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ ایسا شخص جو دوسروں سے قطع تعلق کر لے تو ایسے شخص کو ایک اسلامی معاشرے میں نہایت برا خیال کیا جاتا ہے۔ ایسا شخص اپنی دولت، امارت، حسب و نسب یا کسی اور وجہ سے غرور میں دوسروں سے اپنا تعلق جوڑنا نہیں چاہتا اور اگر وہ تعلق جوڑتا ہے تو صرف ان لوگوں سے جو حسب و نسب، مال و دولت اور امارت میں اس کے ہم پلہ ہوں، وہ غریبوں کو انتہائی حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے، ایسے شخص کے متعلق ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ شخص کبھی بھی جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

حدیث نمبر ۴:

عَنْ عَائِشَۃَ (رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا) زَوْجِ النَّبِیِّ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ) عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ: الرَّحِمُ شِجْنَۃٌ فَمَنْ وَصَلَہَا وَصَلْتُہٗ وَمَنْ قَطَعَہَا قَطَعْتُہٗ.

(البخاری: کتاب الأدب)

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ رحم (رشتہ داری، رحمٰن سے ملی ہوئی) شاخ ہے۔ جو شخص اس سے ملے، میں اس سے ملتا ہوں اور جو اس سے قطع تعلق کرے میں اس سے قطع تعلق کرتا ہوں۔

تشریح:

اس حدیث مبارکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رشتہ داری کے متعلق فرمایا کہ رشتہ داری اور دوسروں سے تعلق رکھنا اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ کام ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے رشتہ داروں اور دوسروں سے تعلق رکھتا ہے تو اس شخص سے اللہ تعالیٰ راضی اور خوش ہوتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے شخص کے بارے میں فرمایا کہ میں اسی شخص سے تعلق رکھتا ہوں جو اپنے رشتہ داروں اور احباب سے تعلق رکھتا ہے اور جو شخص اپنے رشتہ داروں اور دوست احباب سے تعلق قطع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہو جاتا ہے اور میں بھی اس سے لاتعلقی کا اظہار کرتا ہوں۔

حدیث نمبر ۵:

عَنْ صَفْوَانَ بْنَ سُلَیْمٍ یَرْفَعُہٗ اِلَی النَّبِیِّ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ) قَالَ: السَّاعِیْ عَلَی الْاَرْمَلَۃِ وَالْمِسْکِیْنِ کَالْمُجَاهِدِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَوْ کَالَّذِیْ یَصُوْمُ النَّہَارَ وَیَقُوْمُ اللَّیْلَ. (البخاری: کتاب الأدب)

ترجمہ:

حضرت صفوان بن سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بیواؤں اور مسکینوں کے لیے کوشش کرنے والا اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے یا اس شخص کی طرح ہے جو دن میں روزے رکھتا ہے اور رات کو عبادت کرتا ہے۔

تشریح:

اس حدیث میں بیواؤں اور مسکینوں کے حقوق کے لیے کوشش کرنے والوں کے اجر وثواب کے بارے میں بیان کیا گیا ہے۔ جو لوگ بیواؤں، مسکینوں اور یتیموں کے حقوق کا خیال رکھتے ہیں ان کا اجر وثواب اللہ تعالیٰ کی راہ میں یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں سب سے بڑی عبادت یعنی جہاد کرنے والے کی طرح ہیں، یا وہ ان نیک افراد کی مانند ہیں جو دن اور رات اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے اجر ومقام کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کس قدر پسندیدہ ہوں گے۔ ایک اور حدیث میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں تیسرا پسندیدہ ترین عمل قرار دیا گیا ہے، جس سے اس شخص کے اجر وثواب کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے جو حقوق العباد خاص طور پر بیواؤں، مسکینوں اور یتیموں کے حقوق کا خیال رکھتا ہو۔

حدیث نمبر ۶:

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِک (رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ) عَنِ النَّبِيِّ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ) قَالَ: مَامِنْ مُسْلِمٍ غَرَسَ غَرْسًا فَأَكَلَ مِنْهُ اِنْسَانٌ اَوْ دَآبَّةٌ" اِلَّا كَانَ لَهُ صَدَقَةٌ.

(البخاری: کتاب الأدب)

ترجمہ:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی مسلمان کسی

NOT FOR SALE

درخت کا پودا لگاتا ہے اور اس درخت سے کوئی انسان یا جانور کھاتا ہے تو لگانے والے کے لیے وہ صدقہ ہوتا ہے۔

تشریح:

اس حدیث مبارکہ میں درخت لگانے کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ اگر کوئی بندہ سر راہ کوئی درخت لگا دے خواہ وہ کسی بھی چیز کا ہو اور کسی دوسرے شخص کو اس سے کوئی فائدہ پہنچے، مثلاً کوئی شخص اس درخت کا پھل کھائے یا کڑی دھوپ میں اس کی چھاؤں میں بیٹھے اور آرام کرے تو یہ اس لگانے والے شخص کے لیے صدقہ ہوگا، یعنی جب تک وہ درخت لگا رہے گا اور لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے، اس کی چھاؤں میں بیٹھتے رہیں گے، اس کا پھل کھاتے رہیں گے تو تب تک اس لگانے والے شخص کو ثواب ملتا رہے گا

حدیث نمبر ۷:

عَنْ اَبِیْ هُرَيره (رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ) قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ) مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهٗ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ باللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا اَوْ لِيَصْمُتْ.

(البخاری: کتاب الأدب)

ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہو، اسے چاہیے کہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہو، اسے چاہیے کہ اپنے مہمان کی خاطر مدارت کرے اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، اسے چاہیے کہ وہ اچھی بات کہے یا چپ رہے۔

تشریح:

درج بالا حدیث میں تین باتوں کی نصیحت کی گئی ہے۔

NOT FOR SALE

CS CamScanner

CamScanner

۱۔ پڑوسیوں کی عزت: پہلی بات تو یہ ہے کہ ہر مومن اپنے پڑوسی کی عزت کرے۔اس میں حسنِ سلوک، خوش اخلاقی اور ہمدردی سب شامل ہیں۔ پڑوسی کو ستایا نہ جائے۔اس کے ظلم وتعدی کو برداشت کیا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے فرمایا کہ جبریل علیہ السلام مجھ کو پڑوسی کے بارے میں اس قدر تاکید کرتے رہے کہ میں نے سوچا کہ پڑوسی کو وارث قرار دے دیں گے۔ایک خاتون روزہ رکھتی اور رات کو تہجد پڑھتی تھیں مگر اپنے پڑوسیوں کو ستاتی تھیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ دوزخ میں جائے گی۔(مشکوٰۃ)

۲۔ مہمان کی خاطر مدارت: اس حدیث میں دوسرا حکم یہ دیا گیا ہے کہ مہمان کی عزت افزائی اور خاطر مدارت کی جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم بذاتِ خود مہمان کی عزت کیا کرتے تھے اور اس کی ناگوار باتوں پر بھی ناراض نہیں ہوتے تھے۔

۳۔ خاموشی کی فضیلت: آخری بات یہ ہے کہ جو شخص کامل ایمان رکھتا ہے اسے چاہیئے کہ وہ غیر ضروری اور بیہودہ گفتگو نہ کرے۔ غیر ضروری گفتگو سے خاموشی بدرجہا بہتر ہے۔اسلامی نقطۂ نظر کے مطابق انسان جو کچھ بولتا ہے فرشتے اس کو اس کے نامۂ اعمال میں لکھتے جاتے ہیں۔لہٰذا انسان ہر لفظ کے لیے بارگاہِ ربانی میں جوابدہ ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ۝ (سورۃ قٓ:۱۸)

"وہ (انسان) جو لفظ بولتا ہے اس کے پاس ایک محافظ تیار ہوتا ہے"۔

حدیث میں ذکر کردہ تینوں باتیں بظاہر معمولی نظر آتی ہیں لیکن مجلسی آداب اور معاشرتی اخلاق کے اعتبار سے ان تینوں باتوں کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ہمسائے کی عزت کرنے والے کو معاشرے میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا اور جس شخص کو اپنی زبان پر قابو ہوگا وہ اپنے وقار اور عزت وشرافت کو محفوظ رکھ سکے گا۔اسی طرح مہمان کی خاطر داری کرنے والا لوگوں میں نیک نامی حاصل کرتا ہے اور آخرت میں اجر و ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔

حدیث نمبر ۸:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ (رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا) عَنِ النَّبِيِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ) قَالَ: كُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ". (البخاری: کتاب الأدب)

ترجمہ:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نیک کام صدقہ ہے۔

تشریح:

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو نیکی کی تلقین کی ہے اور اس انداز میں کی ہے کہ ہر نیکی اور نیک کام چاہے وہ جو بھی ہو، اسے صدقہ قرار دیا ہے۔ہمیں خود بھی نیکیاں کرنی چاہئیں اور دوسروں کو بھی نیکی کی ترغیب دلانی چاہیئے ،اسی طرح ہمیں خود بھی برائی سے بچنا چاہیئے اور دوسروں کو بھی برائی سے بچنے کی تلقین کرنی چاہیئے۔قرآن مجید میں ہمیں یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو امتِ وسطہ کہا گیا ہے اور اس کی سب سے بڑی خصوصیت اور اعزاز یہ بتایا گیا ہے کہ " امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" پر عمل کرتے ہیں یعنی لوگوں کو برائی سے روکتے ہیں اور نیکی کا حکم دیتے ہیں۔اس حدیث میں بھی آپؐ نے ہمیں نیکی کی ترغیب دی ہے تاکہ ہم زیادہ سے زیادہ نیکیاں کریں اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرلیں۔

حدیث نمبر ۹:

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ (رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ) قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ): يَتَقَارَبُ الزَّمَانُ وَيَنْقُصُ الْعَمَلُ وَيُلْقَى الشُّحُّ وَيَكْثُرُ الْهَرْجُ قَالُوا: وَمَا الْهَرْجُ؟ قَالَ اَلْقَتْلُ اَلْقَتْلُ. (البخاری: کتاب الفتن)

ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ زمانہ جلدی جلدی گزر جائے گا اور عمل دنیا میں کم ہو جائے گا اور دلوں میں بخل سما جائے گا اور "ہرج" کی کثرت ہو جائے گی۔ صحابہ نے عرض کیا کہ "ہرج" کیا ہے؟ فرمایا قتل، خون ریزی۔

تشریح:

اس حدیث مبارکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مندرجہ ذیل چار چیزوں کے بارے میں پیشن گوئی فرمائی ہے۔

۱۔وقت (زمانہ) جلدی جلدی گزر جائے گا۔

۲۔دین کے عمل کو کم اہمیت دی جائے گی۔

۳۔لوگوں کے دلوں میں سخاوت ختم ہو جائے گی اور بخل بڑھ جائے گا۔

۴۔دنیا میں لڑائی جھگڑے، قتل وغارت اور خوں ریزی بڑھ جائے گی۔

اگر ہم مندرجہ بالا چاروں علامتوں پر غور کریں تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ موجودہ دور ہی اس حدیثِ مبارکہ کا مفہوم پیش کرتا ہے۔ اردگرد معاشرے اور ماحول پر غور کریں تو ہر کوئی اس بات کا گلا کرتا نظر آتا ہے کہ وقت (زمانے) میں برکت نہیں رہی۔ وقت بہت تیزی سے گزر رہا ہے۔ سالوں پرانی باتیں یا چیزیں ابھی بہت قریبی دور کی معلوم ہوتی ہیں۔

دوسری علامت عمل کی اہمیت کا کم ہونا بیان کیا گیا ہے۔ یہ بات آج کل بہت عام ہے کہ لوگ اپنی معلومات میں اضافہ کی طرف توجہ تو دیتے ہیں اور اس پر فخر بھی کرتے ہیں لیکن بہت کم عمل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جب کہ اہم چیز عمل ہے نہ کہ محض معلومات میں اضافہ۔

ہمارے اسلاف مہمان نوازی، فیاضی اور سخاوت کا منہ بولتا ثبوت تھے لیکن آج ہمارے دلوں میں دوسروں کی فلاح و بہبود، رفاہِ عامہ اور عزیز واقرباء کی دلجوئی ناپید ہو چکی ہے۔ دینِ اسلام مال جمع کرنے کی حوصلہ شکنی کرتا ہے مگر ہم پھر بھی مال جمع کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔

چوتھی علامت قتل وغارت اور لڑائی جھگڑے کی ہے۔ دنیا کا آرام وسکون اِنہی نام نہاد تنازعات اور قتل وغارت کی نذر ہو گیا ہے۔ ہمیں بطور مسلمان اس حدیثِ مبارکہ میں بیان کی گئی علامات پر عمل پیرا ہونے سے گریز کرنا چاہیئے تاکہ مسلمانوں کی زندگیاں غیر مسلموں کے لیے نمونہ ثابت ہوں اور یہ دنیا جنت کا نظارہ پیش کرے۔

حدیث نمبر ۱۰:

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ (رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ: النَّبِيُّ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ

وَسَلَّمَ) لَا يَجِدُ اَحَدٌ حَلَاوَةَ الْإِيْمَانِ حَتّٰى يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلّٰهِ وَحَتّٰى أَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْقَذَهُ اللّٰهُ وَ حَتّٰى يَكُوْنَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا.

(البخاری کتاب الأدب)

ترجمہ:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، کوئی شخص ایمان کی حلاوت اس وقت تک نہیں پاسکتا جب تک وہ کسی شخص سے محبت کرے تو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے کرے اور اس کو آگ میں ڈالا جانا پسند ہو لیکن ایمان کے بعد کفر میں جانا اسے پسند نہ ہو اور جب تک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کے سوا دوسری تمام چیزوں کے مقابلے میں زیادہ محبت نہ ہو۔

تشریح:

اس حدیث مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری کو موضوع بنایا گیا ہے کہ جب تک انسان مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہ کرے، اس کی ہر پسند کو اپنی پسند اور اس کی ہر ناپسند کو اپنی ناپسند نہ بنالے، اسے یہ بات پسند ہو کہ اُسے آگ میں ڈال دیا جائے مگر اسے یہ پسند نہ ہو کہ وہ ایک دفعہ مسلمان ہو جانے کے بعد دوبارہ دائرۂ اسلام سے خارج ہو۔ ایک پکا، سچا مومن ہونے کی دوسری شرط یہ بتائی گئی ہے کہ وہ اس دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ، حتیٰ کہ اپنی جان، مال، اولاد، غرضیکہ ہر چیز سے زیادہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرے۔

حدیث نمبر ۱۱:

عَنْ حُذَيْفَةَ (رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ) سَمِعْتُ النَّبِيَّ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ) يَقُوْلُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ".

(البخاری: کتاب الأدب)

CS CamScanner

ترجمہ:

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

تشریح:

اس حدیثِ مبارکہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چغل خور کا انجام بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ چغلی کرنا گناہِ کبیرہ میں سے ایک ہے۔ یہ معاشرے کی ایک ایسی برائی ہے جس سے معاشرے میں فساد اور لڑائی جھگڑے پھیلتے ہیں۔ جو بالآخر معاشرے کو تباہی کی طرف دھکیلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے غیبت کو حرام قرار دیا ہے اور اس سے بچنے کی تلقین کی ہے۔ ایک اور حدیثِ پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیبت کرنے کو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے جیسا قبیح اور برا فعل قرار دیا ہے۔ اس دنیا میں کون ہوگا جو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا۔ یقیناً ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں چاہے گا۔ اسی طرح ہمیں چغلی سے بھی بچنا چاہیئے۔

حدیث نمبر ۱۲:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ (رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ) قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ) تَجِدُ مِنْ شَرِّ النَّاسِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ عِنْدَ اللّٰہِ ذَا الْوَجْهَیْنِ الَّذِیْ یَأْتِیْ هٰؤُلَآءِ بِوَجْهٍ وَّهٰؤُلَآءِ بِوَجْهٍ. (البخاری: کتاب الأدب)

ترجمہ:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں اس شخص کو سب سے زیادہ بدتر پاؤ گے جو کچھ لوگوں کے سامنے ایک رخ سے آتا ہے اور کچھ کے سامنے دوسرے

رخ سے جاتا ہے۔

تشریح:

اس حدیث مبارکہ میں منافقت اور منافق کے بارے میں بیان کیا گیا ہے۔ منافق کا حال قیامت کے دن سب سے زیادہ برا ہوگا۔ منافقت کسی معاشرے کا ایک بڑا روگ ہے۔ اس سے وہ معاشرہ اور اس کے لوگ دوسروں کے سامنے ذلیل وخوار ہوتے ہیں۔ منافق آدمی کی منافقت یہ ظاہر کرتی ہے کہ اس شخص کے دل میں کوئی خلوص نہیں بلکہ وہ ایک خودغرض انسان ہے۔ منافقوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ وہ جہنم کے سب سے نچلے گڑھے میں ہوں گے۔ قرآن مجید میں منافقوں کے مقام کے لیے درک کا لفظ آیا ہے۔ عربی میں اس کے معنی یہ ہیں کہ جب کوئی سیڑھی اتر رہا ہو تو سیڑھی کا ہر نچلا پایا درک کہلاتا ہے۔ یعنی منافق شخص انسانیت اور زندگی کی سیڑھی پر مسلسل ذلت و پستی کی طرف ہی سفر کرتا رہتا ہے اور اپنی پستی کے اس سفر کی بنا پر آخرت میں جہنم کے سب سے نچلے درجے میں پہنچ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں جہنم کی اس پستی سے اپنی پناہ میں رکھے۔

حدیث نمبر ۱۳:

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ (صَلَّی اللّٰہِ عَلَیْہُ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ) قَالَ: لَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَکُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰہِ اِخْوَانًا وَّلَا یَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ یَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلٰثِ لَیَالٍ. (البخاری: کتاب الأدب)

ترجمہ:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آپس میں بغض نہ رکھو، حسد نہ کرو، پیٹھ پیچھے کسی کی برائی نہ کرو بلکہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو اور کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ سلام کلام چھوڑ کر رہے۔

CS CamScanner

تشریح:

اس حدیثِ مبارکہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو کچھ نصیحتیں کیں ہیں جو درج ذیل ہیں۔

مسلمانوں کو اپنے کسی بھائی کی بات پر اپنے دل میں بغض وعناد نہیں رکھنا چاہیئے اور اپنے مسلمان بھائیوں کی بات کا برا نہیں منانا چاہیئے۔ اگر کسی معاشرے میں مسلمان اپنے کسی دوسرے مسلمان بھائی کے لیے اپنے دل میں بغض وعناد رکھے گا تو وہ معاشرہ قائم نہیں رہ سکے گا۔

دوسرا یہ کہ ہمیں کسی دوسرے مسلمان بھائی کی کوئی اچھی چیز دیکھ کر حسد نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اسی طرح اپنی نعمت عطا فرمائے۔

تیسری نصیحت حضور نبی کریم نے یہ فرمائی ہے کہ ہمیں پیٹھ پیچھے کسی کی برائی نہیں کرنی چاہیئے۔ کسی کی پیٹھ پیچھے برائی کرنا بہت برا فعل ہے۔ اسلام میں اس کام کو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے بھی زیادہ برا کام قرار دیا ہے اور اس کی سختی سے ممانعت کی ہے۔

اس حدیث میں چوتھی نصیحت نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے یہ کی ہے کہ ہمیں آپس میں بھائی بھائی بن کے رہنا چاہیئے اسی سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے اور ہم اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ بندوں میں شمار ہو سکتے ہیں۔

اس حدیث میں آخری نصیحت یہ کی گئی ہے کہ اگر کوئی سے دو مسلمانوں کے درمیان کسی بات پہ جھگڑا ہو جائے اور وہ ایک دوسرے سے قطع تعلق کر لیں تو دونوں میں سے کسی کے لیے بھی یہ جائز نہیں کہ وہ تین دن سے زیادہ آپس میں قطع تعلق کیے رکھیں۔

حدیث نمبر۱۴:

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ (رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا) أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ) قَالَ: أَيُّمَا رَجُلٍ قَالَ لِأَخِيْهِ يَا كَافِرُ فَقَدْ بَآءَ بِهَا أَحَدُهُمَا۔

(البخاری، کتاب الأدب)

ترجمہ:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے بھی اپنے کسی بھائی کو کہا اے کافر! تو ان دونوں میں سے ایک کافر ہو گیا۔

تشریح:

اس حدیثِ مبارکہ میں نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے عہدِ حاضر کے ایک بڑے فتنے کا سدباب کر دیا ہے۔ یعنی یہ فرما دیا کہ کسی مسلمان کے لیے یہ بات ہرگز ہرگز جائز نہیں کہ وہ اپنے کسی دوسرے مسلمان بھائی کو اس کی کسی غلطی، کوتاہی یا گناہ کی وجہ سے اسے کافر قرار دے دے۔ جیسا کہ اس دور میں یہ بات زبان زد عام ہو گئی ہے کہ فلاں گروہ، فرقہ یا قوم، مخصوص عقیدے یا رائے کی بنا پر دائرہ اسلام سے خارج ہو گئی ہے۔ ایک گروہ یا فرقہ دوسرے پر اسی طرح کے الزامات کی بوچھاڑ کیے رکھتا ہے اور اپنے دوسرے کلمہ گو بھائی کو کافر قرار دے دیتا ہے۔ اس حدیثِ مبارکہ کی رو سے دونوں گروہوں میں سے ایک گروہ یا فرقہ کافر ہو جائے گا۔

یہ بہت نازک معاملہ ہے۔ تمام کلمہ گو مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ صبر وتحمل، بردباری اور عفو ودرگزر سے کام لیں اور متنازع مسائل اور رجحانات پر اسلامی نکتہ نظر کے مطابق باہم مشاورت کریں اور ایک دوسرے پر فتوے لگانے سے گریز کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حامی وناصر ہو۔

حدیث نمبر۱۵:

عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ) إِنَّ مِمَّا أَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الْأُوْلٰى إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَاشِئْتَ۔

(البخاری، کتاب الأدب)

ترجمہ:

حضرت ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں نے سابقہ انبیاء علیہم السلام کے کلام سے جو چیزیں حاصل کی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب تو شرم محسوس نہ کرے تو جو تیرا جی چاہے کر۔

CS CamScanner

تشریح:

اس حدیث میں حیاء کی تلقین کی گئی ہے۔ حیا ایسے جذبے کو کہتے ہیں جو دل کے اس احساس سے کروٹ لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ظاہر و باطن کو دیکھ رہا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان نیک کاموں کی جانب راغب ہوتا اور برے کاموں سے نفرت کرتا ہے۔ حیاء کے جامع اور ہمہ گیر فوائد کے پیشِ نظر آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ حیاء کا حکم سابقہ شریعتوں میں موجود تھا ہر شریعت میں اس پر بڑا زور دیا گیا تھا۔ حیاء انسان کو مجبور کرتی ہے کہ دین واخلاق کی سب پابندیوں کو قبول کرے اور ان پر عمل پیرا ہو۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تہذیب و شرافت اور انسانیت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر مسلمان حیاء دار بن جائے شرم و حیاء برائیوں سے روکتی ہے بے حیاء اور بے شرم آدمی معاشرے میں کسی قانونی بندش کو تسلیم نہیں کرتا۔ اسی لیے فرمایا کہ بے حیائی سے اجتناب کرنا چاہیئے تا کہ معاشرے میں بگاڑ پیدا نہ ہو۔ حیاء کو اخلاق میں بنیادی حیثیت حاصل ہے اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اسے ایمان کا حصہ قرار دیا۔ جب انسان میں شرم وحیاء کا جذبہ باقی نہ رہے تو اس سے کسی نیکی اور بھلائی کی امید نہیں کی جا سکتی۔

حدیث نمبر ۱۶:

عَنْ اَبِیْ شُرَیْحٍ نِ الْکَعْبِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الآخِرِ فَلْیُکْرِمْ ضَیْفَهُ جَائِزَتُهُ یَوْمٌ وَلَیْلَةٌ" وَالضِّیَافَةُ ثَلَاثَةُ أَیَّامٍ فَمَا بَعْدَ ذٰلِکَ فَهُوَ صَدَقَةٌ" وَلَا یَحِلُّ لَهُ أَنْ یَثْوِیَ عِنْدَهُ حَتّٰی یُحْرِجَهُ۔

(البخاری: کتاب الأدب)

ترجمہ:

حضرت ابوشریح کعبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے اپنے مہمان کی عزت کرنا چاہیئے۔ اس کی خاطر داری بس ایک دن اور رات کی ہے اور مہمان نوازی تین دن اور راتوں کی اور اس کے بعد جو ہے وہ صدقہ ہے اور مہمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے میزبان کے پاس اتنے دن ٹھہر جائے کہ اسے تنگ کر ڈالے۔

تشریح:

اس حدیث میں مہمان نوازی کے بارے میں ہمارے لیے احکام موجود ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ہمیں مہمان نوازی کا روشن پہلو ملتا ہے۔ آپ خود بھی مہمانوں کی حتی المقدور مہمان نوازی اور آؤ بھگت کیا کرتے تھے۔ آپ اپنے مہمان کی ہر طرح سے خاطر مدارت کیا کرتے تھے اور کھانے کے لیے بار بار اصرار کرتے تھے۔

مہمان نوازی کے بارے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:

"جو شخص اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیئے کہ مہمان کی خدمت اور آؤ بھگت کرے۔ مہمان سے خندہ پیشانی سے ملے۔ مکان میں ٹھہرائے، جس قدر ہو سکے عمدہ اور حلال کھانا کھلائے، حال احوال پوچھے۔ مہمان داری کا حق تین دن ہے اس سے زیادہ ہو تو اللہ تعالیٰ کا مزید اجر ہے۔"

حدیث نمبر ۱۷:

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ (رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُمَا) عَنِ النَّبِیِّ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ) قَالَ: اَلْغَادِرُ یُرْفَعُ لَهُ لِوَاءٌ" یَوْمَ الْقِیَامَةِ یُقَالُ هٰذِهٖ غَدْرَةُ فُلَانِ ابْنِ فُلَانٍ۔

(البخاری: کتاب الأدب)

ترجمہ:

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عہد توڑنے والے کے لیے قیامت میں ایک جھنڈا اٹھایا جائے گا اور پکارا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی دغابازی کا نشان ہے۔

تشریح:

اس حدیث میں وعدہ یا عہد توڑنے والے کی برائی بیان کی گئی ہے۔ وعدہ کر کے وعدہ خلافی کرنا بڑی برائی اور جھوٹ ہے۔ وعدہ خلافی کرنے سے دل میں نفاق پیدا ہوتا ہے۔ ریاکار، دھوکہ باز اور مطلب پرست شخص کے اندر منافقت پیدا ہو جاتی

ہے اور اس کے اندر وسوسے داخل ہو جاتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں آدم زاد جو فرشتوں کا مسجود ہے دوسروں کا محکوم بن جاتا ہے۔ وعدہ خلافی کرنے والے کو لوگ جھوٹا خیال کرتے ہیں اور اس سے دور ہو جاتے ہیں۔ اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وعدہ توڑنے والے کا قیامت کے دن سب کے سامنے اعلان کیا جائے گا۔

حدیث نمبر۱۸:

عَنْ اَبِیْ عَبْدِاللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہِ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ (صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ): ثَلَاثٌ مَنْ لَمْ يَكُنْ فِيْهِ لَمْ يَتِمَّ لَهُ عَمَلٌ: وَرَعٌ يَحْجُزُهُ عَنْ مَعَاصِي اللّٰهِ وَ خُلُقٌ يُدَارِیْ بِهِ النَّاسَ وَحِلْمٌ يَرُدُّ بِهٖ جَهْلَ الْجَاهِلِ.

(الکلینی: اصول الکافی، کتاب الایمان و الکفر)

ترجمہ:

ابو عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تین چیزیں ایسی ہیں کہ اگر وہ کسی میں نہ ہوں تو اس کا کوئی عمل مکمل نہیں ہوتا۔ پرہیزگاری (تقویٰ) جو اسے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچائے۔ اچھے اخلاق کہ جن سے لوگوں سے معاملہ کرے اور بردباری کہ جس سے جاہلوں کی جاہلیت کا جواب دے۔

تشریح:

اس حدیث مبارکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے کسی عمل کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول بنانے کے لیے تین بنیادی باتوں کا ذکر کیا ہے۔ ان میں پہلی بات یہ ہے کہ انسان متقی (تقویٰ والا) اور پرہیزگار ہونا چاہیئے۔ ویسے تو اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں سب انسان برابر ہیں مگر خطبہ حجۃ الوداع میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرما دیا ہے کہ فضیلت اور برتری کا معیار صرف تقویٰ ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہونا چاہتا ہے تو اسے چاہیئے کہ وہ تقویٰ اور پرہیزگاری میں خود کو دوسروں سے آگے کرلے تو وہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں پسندیدہ بن جائے گا اور اس کا ہر عمل مقبول ہوگا۔

NOT FOR SALE

دوسری بات اس حدیث میں یہ بیان کی گئی ہے کہ انسان کے اخلاق اچھے ہونے چاہئیں۔ اچھے اخلاق کسی انسان کی معاشرے میں رہتے ہوئے سب سے بڑی خاصیت ہوتی ہے۔ اس انسان کو سبھی پسند کرتے ہیں جو دوسروں سے اچھے اخلاق سے پیش آتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی ارشاد ہے کہ مجھے اچھے اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے۔ دوسروں سے اچھے اخلاق سے پیش آنے والے سے اللہ تعالیٰ بھی خوش ہوتا ہے، نتیجتاً اللہ تعالیٰ اس کے اعمال کو بھی قبولیت بخش دیتا ہے۔

اس حدیث میں تیسری بات یہ بیان کی گئی ہے کہ انسان کو بردبار اور عفو درگزر کرنے والا ہونا چاہیئے کیوں کہ جس معاشرے میں ہم رہتے ہیں وہاں ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں، جن میں کچھ کم عقل بھی ہوتے ہیں۔ اس لیے ایسے لوگوں سے برتاؤ کرنے کے لیے انسان میں بردباری کی خاصیت بھی ہونی چاہیئے تاکہ وہ ایسے لوگوں سے بھی اچھی طرح سے برتاؤ کر سکے۔

حدیث نمبر۱۹:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ (صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ):

نِعْمَ وَزِيْرُ الْإِيْمَانِ الْعِلْمُ، وَنِعْمَ وَزِيْرُ الْعِلْمِ الْحِلْمُ، وَنِعْمَ وَزِيْرُ الْحِلْمِ الرِّفْقُ، وَنِعْمَ وَزِيْرُ الرِّفْقِ الصَّبْرُ.

(نفس المرجع: کتاب فضل العلم)

ترجمہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایمان کا بہترین وزیر (معاون) علم ہے اور علم کا بہترین وزیر بردباری ہے اور بردباری کا بہترین وزیر نرمی ہے اور نرمی کا بہترین وزیر صبر ہے۔

تشریح:

اس حدیث مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایمان کی پختگی اور سچائی والے اعمال کو بڑی صراحت سے بیان فرمایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علم کو ایمان کا بہترین مددگار بیان فرمایا ہے یعنی نفع بخش علم ایمان اور یقین کو تقویت پہنچاتا ہے۔ اسی طرح حلم یعنی بردباری ایک ایسی خوبی ہے جو مومن کی شان ہے اور اس کو علم کے حصول کا زینہ قرار دیا گیا ہے۔ مزید ارشاد

NOT FOR SALE

گرامی ہے کہ بردباری کے لیے نرم خوئی اور بہتر اخلاق بہت ضروری ہے۔اس حدیثِ مبارکہ کے آخر میں صبر و تحمل اور برداشت کو نرمی کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے۔الغرض یہ حدیثِ مبارکہ ان تمام اخلاقِ حسنہ کی تاکید کرتی ہے جو کہ ایمان کامل کے لیے ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔

حدیث نمبر۲۰:

جَاءَ رَجُلٌ إِلىٰ رَسُوْلِ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّم) فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا الْعِلْمُ؟ قَالَ: اَلْاِنْصَاتُ قَالَ: ثُمَّ مَا؟ قَالَ: اَلْاِسْتِمَاعُ، قَالَ: ثُمَّ مَا؟ قَالَ: اَلْحِفْظُ، قَالَ: ثُمَّ مَا؟ قَالَ الْعَمَلُ بِهِ، ثُمَّ مَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: نَشْرُهُ.

(نفس المرجع و نفس الصفحة)

ترجمہ:

ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! علم کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے فرمایا: خاموشی۔اس نے کہا پھر کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: غور سے سننا اُس نے کہا پھر کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یاد رکھنا اس نے کہا پھر کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس پر عمل کرنا۔اس نے کہا پھر کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس کو پھیلانا۔

تشریح:

اس حدیثِ مبارکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علم کی اہمیت پر زور دیا ہے۔اسلام نے بھی حصولِ علم کو بہت اہمیت دی ہے۔قرآنِ حکیم نے ہمیں بتایا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو علمی برتری کی وجہ سے زمین پر خلافت کا منصب عطا کیا گیا۔اہلِ علم اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند درجات پر فائز ہوں گے اور اہلِ علم اور جاہل کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حصولِ علم کو ہر مسلمان کے لیے فرض قرار دیا ہے اور بتایا کہ علم کی بات مومن کا متاع ہے، جہاں سے ملے اسے لے لینا چاہیئے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علم کے لیے سفر کرنے والے کی حوصلہ افزائی فرمائی۔عرب کا وہ خطہ جو جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا، آپؐ نے چند سالوں میں وہاں تعلیم عام فرمادی۔بدر کے قیدیوں کے لیے یہ فدیہ مقرر فرمایا کہ اگر وہ دس بچوں کو پڑھنا اور لکھنا سکھا دیں گے تو انہیں رہا کر دیا جائے گا۔مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو میں صفہ کی درسگاہ بنائی گئی جہاں ہر وقت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک جماعت حصولِ علم میں مصروف رہتی تھی۔

حدیث نمبر۲۱:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّم: طُوْبىٰ لِمَنْ حَسُنَ مَعَ النَّاسِ خُلُقُهُ، وَ بَذَلَ لَهُمْ مَعُوْنَتَهُ، وَعَدَلَ مِنْهُمْ شَرَّهُ.

(الروضة من الكافي. وصايا النبيؐ لأصحابه)

ترجمہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، خوشخبری ہے اس کے لیے جو لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آتا ہے اور جو لوگوں کی مدد میں اپنی کوشش صرف کرتا ہے اور اپنے شر کو لوگوں سے دور رکھتا ہے (یعنی لوگوں کو ایذا نہیں دیتا)۔

تشریح:

اس حدیثِ مبارکہ میں نبی کریم رؤف و رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اس شخص کے لیے خوشخبری کا اعلان کیا ہے جو لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آتا ہے۔حسن خلق یعنی لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق اور سلوک سے پیش آنا ایک ایسی صفت ہے کہ جس شخص میں یہ صفت ہو اسے معاشرے میں اچھا خیال کیا جاتا ہے اور اس کی عزت کی جاتی ہے اور اسے دوسرے لوگوں سے بہتر خیال کیا جاتا ہے۔دوسروں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آنے والا اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی پسندیدہ ٹھہرتا ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے تو ایسے شخص کو نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے اجرِ عظیم کی خوشخبری دی ہے۔

CS CamScanner

اس کے علاوہ وہ شخص جو لوگوں کی مدد کرتا ہے اور اس کوشش میں اپنی پوری طاقت صرف کرتا ہے اور لوگوں کو اپنے شر اور اپنی بری باتوں سے محفوظ رکھتا ہے تو ایسے شخص سے بھی اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے اور نبی کریم نے اس شخص کے لیے بھی اجرِ عظیم کی خوشخبری دی ہے۔

حدیث نمبر ۲۲:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ: أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ فَقَدْ طَابَ مَكْسَبُهٗ، إِذَا اشْتَرَى لَمْ يَعِبْ، وَإِذَا بَاعَ لَمْ يَحْمَدْ، وَلَا يُدَلِّسْ، وَفِيْمَا بَيْنَ ذٰلِكَ لَا يَحْلِفْ.

(الفروع من الكافی، کتاب المعیشة، باب آداب التجارة)

ترجمہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: چار چیزیں ایسی ہیں جو کسی میں ہوں تو اس کی کمائی پاکیزہ ہو جاتی ہے۔ جب کوئی چیز خریدے تو اس میں عیب نہ نکالے اور جب کوئی چیز فروخت کرے تو اس کی (بے جا) تعریف نہ کرے اور دھوکہ (فریب) نہ دے اور اس معاملے (خرید و فروخت) میں قسمیں نہ اٹھائے۔

تشریح:

اس حدیث میں نبی کریم نے امت کو اپنی کمائی کو پاکیزہ کرنے اور اس میں برکت پیدا کرنے کے لیے کچھ باتیں بتائیں ہیں۔ ان میں سے پہلی بات یہ ہے کہ جب کوئی شخص کوئی چیز خریدنے کے لیے بازار جائے تو جو چیز وہ خریدے، اس میں عیب نہ نکالے بلکہ اگر خریدنی ہو تو خرید لے اور اگر نہیں تو وہاں سے خاموشی سے ہٹ جائے۔

دوسری بات یہ کہ اگر کوئی چیز بیچنے لگے تو جو خصوصیات ہوں، صرف وہ سچ سچ بیان کرے نہ کہ اپنی اس چیز کی بے جا تعریف کرے کہ تعریف سن کر لوگ اس کو خرید لیں گے۔

تیسری بات اس حدیث میں ہمیں یہ بتائی گئی ہے کہ جب لوگوں کے ساتھ کوئی معاملہ طے کرو تو اس میں دھوکہ نہ دو بلکہ

NOT FOR SALE

صاف اور ستھرا معاملہ طے کرو۔ کوئی ڈھکی چھپی بات نہ کرو بلکہ سچی اور کھری بات کرو کیونکہ سچ بولنے والوں کو اللہ تعالیٰ بھی پسند کرتا ہے۔

آخری بات جو اس حدیثِ مبارکہ میں بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ جب کوئی چیز فروخت کرنے لگے تو اس کے بیچنے میں گاہکوں کے سامنے قسمیں نہ کھائے، کیونکہ ایک اور حدیثِ مبارکہ میں آیا ہے کہ "قسم کھانے سے مال تو بک جاتا ہے مگر برکت نہیں رہتی۔" یہ بات اس قسم کے لیے ہے جو سچی ہو۔ لیکن اگر قسم جھوٹی ہو تو ایسے جھوٹے شخص پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے اور جس شخص پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، وہ شخص نہ صرف دنیا میں بلکہ آخرت میں بھی ذلیل و خوار ہوگا۔

حدیث نمبر ۲۳

وَفِي الصَّحِيْحَيْنِ بِالْإِسْنَادِ عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّهٗ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ أَرَأَيْتَ إِنْ لَقِيْتُ رَجُلًا مِّنَ الْكُفَّارِ فَاقْتَتَلْنَا فَضَرَبَ إِحْدَى يَدَيَّ بِالسَّيْفِ فَقَطَعَهَا، ثُمَّ لَاذَ مِنِّيْ بِشَجَرَةٍ فَقَالَ أَسْلَمْتُ لِلّٰهِ: أَأَقْتُلُهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ بَعْدَ أَنْ قَالَهَا؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَا تَقْتُلْهُ فَإِنْ قَتَلْتَهٗ فَإِنَّهٗ بِمَنْزِلَتِكَ قَبْلَ أَنْ تَقْتُلَهٗ وَإِنَّكَ بِمَنْزِلَتِهٖ قَبْلَ أَنْ يَّقُوْلَ كَلِمَتَهُ الَّتِي قَالَهَا.

(البخاری: کتاب المغازی) (المسلم : کتاب الایمان)

ترجمہ:

حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ اگر کسی موقع پر میری کسی کافر سے ٹکر ہو جائے اور ہم دونوں ایک دوسرے کو قتل کرنے کی کوشش میں لگ جائیں اور وہ میرے ایک ہاتھ پر تلوار مار کر کاٹ ڈالے، پھر وہ مجھ سے بھاگ کر درخت کی پناہ لے کر کہنے لگے "میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آیا" تو کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اس کے اس اقرار کے بعد پھر بھی میں اسے قتل کر دوں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پھر تم اسے قتل نہ کرنا، انہوں نے فرمایا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ میرا ایک ہاتھ بھی کاٹ چکا ہے۔ اور یہ اقرار

NOT FOR SALE

میرے ہاتھ کاٹنے کے بعد کیا ہے؟ آپؐ نے پھر بھی یہی فرمایا کہ اسے قتل نہ کرنا، کیونکہ اگر تو نے اسے قتل کر ڈالا تو اسے قتل کرنے سے پہلے جو تمہارا مقام تھا اب وہ اس کا مقام ہوگا اور تمہارا وہ مقام ہوگا جو اس کا مقام اس وقت تھا جب اس نے کلمہ کا اقرار نہیں کیا تھا۔

تشریح:

اس حدیثِ مبارکہ میں مسلمانوں کے بنیادی حقوق کے بارے میں تاکید کی گئی ہے۔ اسلام نے مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی قرار دیا ہے اور ان کے آپس میں حقوق و فرائض بھی متعین بھی کر دیے ہیں۔ ان حقوق و فرائض کی وجہ سے معاشرے میں نظم و ضبط اور امن و سکون قائم رہ سکتا ہے۔ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر جو حقوق ہیں ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

ایک مسلمان کو چاہیئے کہ۔۔۔

★ اپنے دوسرے مسلمان بھائی کو اپنے ہاتھ اور زبان سے کوئی تکلیف نہ پہنچائے۔

★ اپنے مسلمان بھائی کے مال پر ناجائز قبضہ نہ کرے۔

★ اس کی جان، مال اور عزت کی حفاظت کرے۔

مذکورہ بالا حدیثِ مبارکہ میں ایک مسلمان کی جان کی قدر و قیمت کی اہمیت بیان کی گئی ہے، یعنی ایک مسلمان بھائی کو قتل کرنا گناہِ کبیرہ میں شامل ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "جس نے کسی ایک مسلمان کو قتل کیا تو گویا اس نے ساری انسانیت کو قتل کیا۔ ہمیں چاہیئے کہ روزمرہ کے معاملات میں صبر و تحمل اور برداشت سے کام لیں اور اپنی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمانوں کو گزند نہ پہنچائیں۔

مشق

سوال نمبر 1۔ درج ذیل سوالات کے تفصیل سے جواب دیں۔

الف۔ تدوینِ حدیث سے کیا مراد ہے؟ عہدِ نبوی میں تدوینِ حدیث پر جامع نوٹ لکھیں۔

ب۔ کتب حدیث "صحیحین" پر جامع نوٹ لکھیں۔

ج۔ کتاب الکافی کے مختلف حصّوں کا تعارف کرائیں اور اس کے مختلف حصوں پر روشنی ڈالیں۔

د۔ جہاد فی سبیل اللہ پر حدیثِ نبوی کی روشنی میں ایک جامع نوٹ تحریر کریں۔

ہ۔ پڑوسیوں کی عزت، مہمان کی خاطر مدارت اور خاموشی کی فضیلت پر رسول اللہ ﷺ کی احادیثِ مبارکہ کو مدِنظر رکھتے ہوئے روشنی ڈالیں۔

سوال نمبر 2۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں۔

الف۔ صحیح بخاری کی اسلام میں کیوں زیادہ اہمیت ہے؟

ب۔ کتاب "تہذیب الاحکام" کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

ج۔ خبرِ مشہور سے کیا مراد ہے؟

د۔ صحیح حدیث کسے کہتے ہیں؟

ہ۔ وقت پر نماز کی ادائیگی کیوں ضروری ہے؟

و۔ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی ضرورت پر ایک حدیث کا ترجمہ قلمبند کریں۔

ز۔ اسلام میں خاموشی اختیار کرنے کی کیا فضیلت ہے؟

سوال نمبر 3۔ درج ذیل سوالات کے مناسب ترین جواب کا انتخاب کریں۔

الف۔ کس جنگ میں بہت زیادہ حفاظ کرام شہید ہوئے؟

i۔ جنگِ بدر　ii۔ جنگِ احد　iii۔ جنگِ خندق　iv۔ جنگِ یمامہ

ب۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلح حدیبیہ کی شرائط لکھوا کر کس کو دی تھیں؟

i۔ سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ　ii۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ

iii۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ　iv۔ عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ

ج۔ امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ نے کون سی کتاب لکھی؟

i۔ صحیح بخاری　ii۔ صحیح مسلم　iii۔ سنن ابوداؤد　iv۔ جامع ترمذی

NOT FOR SALE

CS CamScanner

د۔ سنن ابنِ ماجہ کے مؤلف نے کس سنِ ہجری میں وفات پائی؟

i۔303ھ ii۔273ھ iii۔279ھ iv۔252ھ

و الکافی کے مصنف کون تھے ۔

i۔محمد بن یعقوب الکلینی ii۔امام ابوعبداللہ محمد بن یزید iii۔امام عبدالرحمٰن بن شعیب iv۔امام ابوعیسیٰ

و۔ حدیث شریف کے مطابق کون سا شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا؟

i۔والدین کا نافرمان ii۔رشتہ داروں سے تعلق توڑنے والا iii۔وقت پر نماز ادا نہ کرنے والا iv۔جھوٹ بولنے والا

د۔ حدیثِ مبارکہ کے مطابق ایمان کا بہترین وزیر کون ہے؟

i۔عقل ii۔علم iii۔جہاد iv۔نماز

سرگرمی

معلم/معلمہ،طلباء/طالبات کو لائبریری لے جا کر اُن سے کتبِ صحاح ستہ کا تعارف کروائے۔

باب ششم

اسلامی علوم اور مسلمانوں کی خدمات

تدریسی مقاصد

اس سبق کے پڑھنے کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

وہ علم فلسفہ، علم کلام اور دیگر سائنسی علوم سے اس طرح باخبر ہو جائیں کہ ان علوم میں مزید پیش رفت اور جدیدیت کا حوصلہ پا سکیں۔

1. علمِ فلسفہ

اشیاء کے حقیقی اسباب کے علم کو فلسفہ کہا جاتا ہے۔عربوں نے اس علم کو یونان سے حاصل کیا اور پھر اسے اوجِ کمال تک پہنچایا۔

مسلمانوں کی خدمات:

مسلمانوں نے علمِ فلسفہ پر بہت سی تحقیقات کیں۔اس دور میں اسلامی ممالک علم کا گڑھ ہوا کرتے تھے۔کئی مسلمان ماہرینِ علمِ فلسفہ نے اس موضوع پر بہت سی کتابیں لکھیں۔اس علم کی ابتداء یونان سے ہوئی مگر عرب مسلمانوں نے اس پر سیر حاصل تحقیقات کیں اور اسے اوجِ کمال تک پہنچایا۔

مشہور مسلم فلاسفہ:

ماضی میں مسلمانوں میں بہت سے مشہور ماہرینِ فلسفہ گزرے ہیں، ان میں سے چند ایک کا تعارف درج ذیل ہے

یعقوب الکندی:

یعقوب بن اسحاق الکندی نویں صدی عیسوی میں دربارِ عباسی میں نمایاں حیثیت رکھتا تھا۔اسلام میں اس کے سوا فلسفی کے لقب سے کوئی

اور ملقب نہ ہوا۔ وہ علمِ طب، ریاضی، فلسفہ اور منطق کا ماہر تھا اور اس نے مختلف علوم پر 282 کتابیں لکھیں جن میں سے بعض میں اس نے یونانی حکماء کی غلطیوں کی نشاندہی بھی کی۔

الفارابی:

مسلمانوں میں دوسرا مشہور فلسفی محمد ابونصر الفارابی تھا اس نے افلاطون اور ارسطو کے فلسفہ اور اسلامی تصوف میں امتزاج پیدا کیا۔ اس کا لقب معلم ثانی ہے۔ فلسفہ کے علاوہ اس نے سیاسیات پر فصوص الحکم "رسالہ فی آراء اہل المدینہ والفاضلۃ" اور "سیاست المدینۃ" جیسی بلند پایہ کتب تحریر کیں۔ فارابی طب اور ریاضی میں بھی ید طولیٰ رکھتا تھا۔

بوعلی سینا:

ان کا پورا نام ابوعلی حسین بن عبداللہ بن سینا ہے۔ آپ بخارا کے قریب ایک گاؤں "افشنہ" میں ۹۸۰ء میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے بخارا میں اپنی ابتدائی تعلیم حاصل کی اور دس سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔ انہوں نے اپنے دور کے مشہور فلسفی عبداللہ سے منطق، فلسفہ اور دیگر علوم حاصل کیے۔ سترہ سال کی عمر میں انہوں نے ادویہ میں اتنی مہارت حاصل کر لی کہ ان کی شہرت دور دور تک پھیل گئی اور اسی عمر میں انہوں نے شاہِ بخارا نوح بن منصور کا علاج کیا جس کے علاج سے پورے ملک کے اطباء اور حکماء ناامید ہو چکے تھے۔ آپ نے اس کا کامیابی سے علاج کیا۔ اپنی تندرستی پر شاہ نے انہیں انعام دینے کی پیشکش کی مگر انہوں نے صرف شاہِ بخارا کی منفرد لائبریری استعمال کرنے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے اجازت ملنے پر لائبریری سے استفادہ کیا۔

وہ اپنے وقت کے مشہور اور حاذق طبیب، فلسفی، ریاضی دان اور ماہرِ فلکیات تھے۔ انہوں نے بہت سی کتابیں لکھیں جن میں زیادہ تر طب کے موضوع پر لکھی گئیں۔ اس سلسلے میں آپ کی مشہور کتاب "کتاب القانون" ہے جو آج بھی مستند خیال کی جاتی ہے۔ وہ 1037ء میں ایران کے شہر ہمدان میں فوت ہوئے اور وہیں دفن ہوئے۔

ملا صدرا شیرازی:

ان کا پورا نام صدرالدین شیرازی ہے۔ مسلم دنیا میں گزشتہ چار سو سال میں یہ ایک اہم اور سب سے زیادہ اثر رکھنے والے فلسفی تھے۔ انہوں نے چالیس سے زیادہ کتابیں لکھیں۔ ایران میں سولہویں اور سترہویں صدی میں انہوں نے فلسفہ پر بہت کام کیا۔ صدرالدین نے فلسفہ کے موضوع پر بہت سی کتابیں لکھیں جن میں سے سب سے اہم کتاب "الحكمة المتعاليه فی الاسفار الاربعة العظیمه" ہے جو اس وقت کی طباعت میں نو جلدوں پر مشتمل ہے اور ان کے فلسفیانہ خیالات کی ایک مکمل پیشکش ہے۔

2. علمِ کلام:

علم کلام کی تعریف:

صاحب کشف الظنون کہتے ہیں کہ علم الکلام وہ علم ہے جس کے ذریعہ انسان کو یہ قدرت حاصل ہوتی ہے کہ وہ استدلال و براہین قائم کر کے اور شکوک و شبہات کا ازالہ کر کے دینی عقائد کا اثبات کرے اور اس علم کا موضوع اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات ہیں۔

علم کلام کی اہمیت:

عباسی خلیفہ مہدی کے زمانے میں علم الکلام وجود میں آیا۔ جب یونان کے عقلی علوم کی مسلمانوں میں اشاعت ہوئی تو لوگ شرع اسلامی کو عقل کے میزان میں تولنے لگے اور علمی موشگافیوں نے راہ پائی۔ یہ لوگ مذہبی قیود کے بندھنوں سے آزاد ہو کر ہر چیز کو اپنی بحث و نظر کی آماجگاہ بناتے تھے۔ چنانچہ اسلامی عقائد کی فلسفیانہ تشریح و تعبیر اور فلاسفہ کے اعتراضات کا تسلی بخش جواب دینے کے لیے علم کلام معرض وجود میں آیا۔ علم کلام سے واقفیت رکھنے والے علماء متکلمین کہلاتے تھے۔

مسلم علماء اور متکلمین میں امام غزالی کا مقام سب سے بلند و ارفع ہے۔ انہوں نے اپنی مستند کتابوں "تہافۃ الفلاسفہ" "احیاء العلوم" "مقاصد الفلاسفہ" اور "الاقتصاد فی الاعتقاد" میں انہی موضوعات پر سیر حاصل اور فاضلانہ بحثیں کیں ہیں۔ مسلمان حکماء اور فلاسفہ کی تصانیف نے مشرق و مغرب کے افکار و نظریات کو متاثر کیا اور آج بھی ان کے نظریات عصرِ حاضر کے فلاسفہ اور حکماء کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔

مشہور مکاتبِ فکر:

اشاعرہ:

ابوالحسن الاشعری جو کہ علم الکلام کے بانی سمجھے جاتے ہیں، نے اشاعرہ مکتبِ فکر کی بنیاد رکھی۔ آپ 260 ہجری بمطابق 874 عیسوی کو پیدا ہوئے۔ اشاعرہ مکتبِ فکر ایک نظریاتی مکتبِ فکر ہے۔ اس مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے لوگ اس مکتب فکر کی تعلیمات اور نظریات پر عمل کرتے ہیں۔ اشاعرہ مکتبِ فکر کے نظریات، معتزلی مکتبِ فکر کے نظریات سے اختلاف رکھتے ہیں۔ یہ علم الکلام کے ابتدائی مکاتبِ فکر میں سے ایک ہے۔ آپ کی وفات 324 ہجری بمطابق 936 عیسوی کو ہوئی۔

CS CamScanner

ماتُرِیدِیہ:

ماتریدیہ مکتبِ فکر کے بانی ابومنصور ماتریدی کو خیال کیا جاتا ہے جو کہ علم الکلام کے بڑے عالموں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ آپ کی تاریخ پیدائش کے بارے میں کوئی روایت موجود نہیں۔ ماتریدی مکتبِ فکر کے پیروکار زیادہ تر فقہ حنفی کو مانتے ہیں۔ ماتریدیہ اور اشاعرہ مکتبِ فکر کے نظریات میں زیادہ فرق نہیں ہے۔ ان دونوں مکاتبِ فکر کا اختلاف صرف چھ نظریات پر ہوتا ہے۔ آپ کی وفات 333 ہجری بمطابق 944 عیسوی کو ہوئی۔

معتزلہ:

معتزلی مکتبِ فکر کے بانی واصل بن عطاء اور عمرو بن عبید ہیں۔ یہ علم الکلام کا سب سے پہلا مکتبِ فکر خیال کیا جاتا ہے۔ اس کی بنیاد دوسری صدی ہجری میں رکھی گئی۔ اسے ایک مکتبِ فکر کے طور پر متعارف کروانے میں واصل بن عطاء المعتزلی نے بڑا کام کیا۔

مشہور مسلم متکلمین:

ابوالحسن الاشعری:

ابوالحسن الاشعری علم الکلام کے بانی تھے۔ انہوں نے معتزلی علماء سے اکتساب کیا اور پھر انہی کے فلسفہ اور طرز استدلال کو ان کے خلاف اسلامی عقائد کے دفاع میں نہایت کامیابی سے استعمال کیا۔ وہ اشعری مکتبِ فکر کے بانی بھی تھے۔ تیسری صدی ہجری کے اخیر اور چوتھی صدی کے آغاز میں معتزلہ کا زور بڑی حد تک ٹوٹ چکا تھا۔ معتزلہ نے اعداء دین اور اہلِ بدعت کی تردید میں بڑی قابلِ قدر خدمات سرانجام دی تھیں۔ جب ان کے رعب و دبدبہ کا طلسم ٹوٹ گیا تو اہلِ سنت کے علماء میں ایسے لوگوں کا وجود از بس ضروری ہو گیا تھا جو یہ فریضہ سرانجام دیں۔ ان حالات میں اس اہم کام کے لیے امام اشعری آگے بڑھے۔ حمایتِ دین کے باعث امام اشعری کو بڑی قدر و منزلت سے دیکھا جانے لگا۔۔ انہوں نے بہت سی کتابیں لکھیں جن میں مقالات الاسلامیین، کتاب اللؤمہ، کتاب الابانہ اور اصول الدنیا شامل ہیں۔

ابومنصور ماتریدی:

ابومنصور ماتریدی ایک مشہور مسلمان متکلم (ماہرِ علم الکلام) تھے۔ وہ ایران میں پیدا ہوئے۔ وہ اسلامی فقہ کے علماء کرام کے علمبرداروں میں سے ایک ہیں۔ ان کی دو تصنیفات ہیں جنہیں اس موضوع پر مستند سمجھا جاتا ہے۔ وہ اپنے دور کے علماء کرام میں ایک بلند مقام پر فائز تھے۔ انہوں نے ہی ماتریدیہ مکتبِ فکر کی بنیاد رکھی۔

نظام معتزلی:

ان کا نام ابواسحاق ابراہیم بن سیار بصری ہے، امام حافظ معتزلی کے استاد تھے۔ فرقہ معتزلہ کے مشہور امام سمجھے جاتے تھے۔ اپنی علمی استعداد کی بناء پر انہوں نے ایسے افکار و عقائد کو ایجاد کیا جو اسلام کے بالکل متصادم تھے۔ ان کے عقائد میں یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ظلم و شر پہ قادر نہیں (العیاذ باللہ) اور انسان ظلم پر قادر ہے اور یہ بھی صراحت کی کہ اللہ تعالیٰ جہنم سے کسی کو خارج کرنے پر قدرت نہیں رکھتا۔ تقدیر کے بارے میں ان کا عقیدہ ٹھیک نہیں تھا حتیٰ کہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ براہمہ (ہندوؤں) کے دین پر تھے جو نبوت اور دوبارہ زندگی سے منکر ہیں لیکن انہوں نے یہ بات چھپا رکھی تھی۔ ان کی مشہور تصانیف کتاب ''الطفرۃ''، ''الجواھر والاعراض''، ''حرکات اہل الجنۃ''، ''الوعید''، ''النبوۃ'' وغیرہ ہیں۔ وہ نشہ کی حالت میں ایک کمرے سے نیچے گر کر معتصم باللہ یا واثق باللہ کے دورِ خلافت میں 227ھ میں فوت ہوئے۔ (سیر اعلام النبلاء 36/20)

3. سائنسی علوم:

تعریف اور اہمیت

سائنس (Science) کا لفظ لاطینی زبان کے لفظ سائنشیا (Scientia) سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں علم۔ انگریزی زبان میں سائنس سے مراد وہ علم ہے جو تجربات اور مشاہدات کے ذریعے حاصل کیا جائے۔

سائنس ایک وسیع علم ہے، اسے کسی خاص حد تک محدود رکھنا ممکن نہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ جیسے جیسے انسان کا علم بڑھتا جاتا ہے اور وہ نت نئے تجربات سے دوچار ہوتا رہتا ہے، ویسے ویسے سائنس کے حدود بھی وسیع ہوتے چلے جاتے ہیں۔ سائنسی علوم کی تعداد روز بروز بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ یہ علوم ذرات کے کیمیائی عمل سے دماغ کے عمل تک، ریاضی کے قوانین حرارت سے فصلوں کی معیشت تک، ستاروں کے معرضِ وجود میں آنے اور فنا ہونے سے پرندوں کی نقل مکانی تک، حساس خوردبین سے کہکشاؤں تک، تہذیبوں کے ارتقاء و زوال سے ذروں اور کائنات کے ارتقاء و فنا تک پھیلے ہوئے ہیں۔

سائنسی علوم کے اسلامی مآخذ

اسلام نہ صرف سائنس کی اہمیت و افادیت کو تسلیم کرتا ہے بلکہ سائنسی ترویج و ترقی کو منشائے الٰہی کی تکمیل قرار دیتا ہے۔ اسلام یہ بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق بنی نوع انسان کی سودمندی کی غرض سے کی ہے۔ الہامی کتب خصوصاً قرآن مجید کی

وساطت سے انسان کو یہ احساس دلایا گیا ہے کہ جتنی چیزیں زمین و آسمان میں ہیں ان سب کو انسان کے لیے مسخر کیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ایک جگہ ارشاد ہے:

اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ فِیْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝
وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝
(الجاثیہ:۱۲-۱۳)

ترجمہ: "وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جس نے دریا کو تمہارے لیے مسخر کر دیا تاکہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور تاکہ تم روزی تلاش کرو اور شکر ادا کرو۔ اور جتنی چیزیں زمین و آسمان میں ہیں، ان سب کو تمہارے لیے مسخر بنایا، بے شک ان باتوں میں غور کرنے والوں کے لیے بہترین دلائل ہیں۔"

قرآن مجید میں انسان کو بار بار کائنات اور اس کی اشیاء پر غور و فکر کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ مثلاً

۱۔ سورۃ النحل آیت ۴۴ میں فرمایا گیا ہے:

ترجمہ: "اور ہم نے تم پر قرآن مجید نازل کیا تاکہ جو کچھ لوگوں کو اس میں بتایا گیا ہے، تم اس کی وضاحت کر دو اور وہ غور و فکر سے کام لیں۔"

۲۔ سورۃ ص آیت نمبر ۲۹ میں فرمایا گیا ہے:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ لِّیَدَّبَّرُوْٓا اٰیٰتِهٖ وَلِیَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

ترجمہ: "ہم نے یہ مبارک کتاب تم پر اس لیے نازل کی کہ لوگ اس کی آیتوں میں غور و فکر کریں اور جو لوگ اہل عقل ہیں، وہ اس سے نصیحت حاصل کریں۔"

۳۔ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ اٰیٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ۝ (البقرہ:۱۸۷)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے اس طرح تمہارے لیے نشانیاں بیان فرمائیں تاکہ ان سے عقل حاصل کر سکو اور انہیں سمجھ سکو۔"

۴۔ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ
وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

(آل عمران:۷)

ترجمہ: "اور جو لوگ علم میں پختہ ہوتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر یقین رکھتے ہیں، یہ سب کچھ ہمارے رب کی جانب سے ہے اور وہی نصیحت قبول کرتے ہیں جو عقل رکھتے ہیں۔"

۵۔ اُنْظُرْ كَیْفَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّهُمْ یَفْقَهُوْنَ ۝ (الانعام:۶۵)

ترجمہ: "ذرا غور سے دیکھیے کہ ہم کس طرح اپنی نشانیوں کو واضح طور پر پیش کرتے ہیں، تاکہ وہ سب حقائق کو اچھی طرح سمجھ لیں۔"

۶۔ وَهُوَ الَّذِیْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ وَاَنْهٰرًا ؕ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِیْهَا
زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝

(الرعد:۳)

ترجمہ: "اور وہ اللہ تعالیٰ جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ اور نہریں بنائیں اور اس میں ہر قسم کے پھل پیدا کیے، جن کے جوڑے ہوتے ہیں، رات کی تاریکی سے دن کی روشنی کو چھپا دیا، غور و فکر کرنے والوں کے لیے ان باتوں میں صاف نشانیاں ہیں۔"

۷۔ اَوَلَمْ یَتَفَكَّرُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ ۗ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَآ
اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ

(الروم:۸)

ترجمہ: "کیا انہوں نے کبھی غور و فکر نہیں کیا اپنے دلوں میں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان میں جو کچھ بھی ہے، صرف ایک مقررہ مدت کے لیے ہی پیدا کیا ہے۔"

۸۔ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ (البقرہ:۲۶۶)

ترجمہ: "اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے واضح نشانیاں پیش کرتا رہتا ہے، تاکہ تم ان پر سوچ بچار کرو۔"

قرآن پاک میں تخلیق کائنات کو مختلف زاویوں سے دکھایا گیا ہے اور اس کا مقصد یہ بیان کیا گیا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ کائنات کی اشیاء پر غور و فکر کرتے ہوئے اپنے لیے آسائشیں مہیا کرے اور حکمتِ الٰہی کا عرفان حاصل کر کے، اس کا شکریہ ادا کرے۔ قرآن نے انسان کو دنیا میں رہ کر ترقی کی منازل طے کرنے کی راہ دکھائی ہے۔ مطالعہ قرآن مجید سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دین اسلام خود ایک سائنس ہے اور اس سائنس کی روح احکامات الٰہی ہیں، قرآن مجید مادی، روحانی اور سائنسی دنیا میں ایک مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کی ہدایت کے مطابق غور و فکر کرنے والے مسلمانوں نے عملی طور پر سائنسی دنیا میں کار

ہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔

مندرجہ بالا آیات قرآنی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام اور سائنس میں کوئی تصادم نہیں بلکہ اسلام اور قرآن مجید خود موجودہ سائنس کے ماخذ ہیں۔

کچھ عرصہ پہلے یہ خیال عام تھا کہ سائنس کی ترقی صرف یورپی اقوام کی مرہون منت ہے۔ رفتہ رفتہ علمی حلقوں میں یہ حقیقت تسلیم کی گئی کہ غیر یورپی اقوام نے بھی سائنس کی ترقی میں اہم حصہ لیا ہے۔ مصر، جنوبی امریکہ، چین اور ہندوستان کی قدیم تہذیبوں سے سائنسی پہلو کو اب تسلیم کیا جانے لگا ہے۔ البتہ اسلام کے زیر سایہ عربوں نے قدیم سائنسی ورثے کو سیکھنے، اسے یورپ تک منتقل کرنے اور خود اس ورثے میں نئے اور اہم اضافہ کرنے کا جو تاریخی کارنامہ انجام دیا تھا۔ اس کی واقعی قدر و قیمت کو تسلیم کرنے میں تعصبات اور تنگ نظری حائل رہی ہے۔ اب پے در پے ایسے حقائق سامنے آئے ہیں کہ تنگ نظری کے باوجود تاریخی واقعات کو تسلیم کرنا پڑ رہا ہے اور علمی حلقے مسلمان عربوں کے اہم رول کا اعتراف کرنے لگے ہیں۔

مسلمانوں کی خدمات

سائنسی علوم میں مسلمانوں نے نمایاں خدمات سرانجام دی ہیں۔ سائنس کی مختلف شاخوں میں مسلمان سائنسدانوں کی خدمات درج ذیل ہیں۔

معدنیات:

علم معدنیات سے مسلمانوں کی دلچسپی کا آغاز اس وقت ہوا جب ارسطو کی تصنیف ''معدنیات'' کو عربی زبان میں منتقل کیا گیا۔ سب سے پہلے مسلمان کیمیا دان جابر بن حیان نے ۸۱۳ء میں کیمان المعادن، کتاب الجواہر اور رسائل فی الحجر کے ناموں سے معدنیات کے موضوع پر تین کتابیں تصنیف کیں۔ حجریات یا معدنیات کے موضوع پر مسلمانوں نے پچاس سے زائد کتابیں تصنیف کی ہیں۔ عطارد بن محمد الکاتب نے اپنے گھر میں پتھروں کی مختلف اقسام جمع کر کے ان کی ماہیت اور خصوصیات پر تحقیق کی اور اپنے تجربات ایک تصنیف ''الجواہر والاحجار'' میں قلمبند کیے۔

مامون الرشید کے عہد خلافت میں ''بیت الحکمۃ'' کے ایک رکن ابوطیب سند بن علی نے اصلی اور نقلی دھاتوں میں تمیز کے لیے Specific Gravity معلوم کرنے کا طریقہ ایجاد کیا۔ ابو یوسف یعقوب کندی نے فولاد اور اسلحہ سازی پر کئی رسالے تصنیف کیے۔ ابوعثمان عمرو بن بحر الجاحظ بصری نے معدنیات پر مشتمل ایک کتاب تصنیف کی۔ ابوبکر رازی کی تصنیف ''کتاب الاسرار'' کو بھی ایک اہم مقام حاصل ہے۔ اس کے علاوہ بوعلی سینا، البیرونی، شرف الدین ابوبکر احمد بن یوسف، نصیر الدین طوسی، محمد ابن شاذان، محمد بن احمد تمیمی،

ابن مسکویہ، محمد ابن منصور الشیرازی، ابوالقاسم کاشانی، شیخ علی حزیں، امام احمد، یحیٰی بن محمد الغفاری کے نام لیے جاتے ہیں۔

مسلم سپین معدنی ذخائر کے لحاظ سے منفرد مقام رکھتا تھا۔ سپین کے معدنی ذخائر سے سونا، چاندی، ٹین، پارہ، لوہا، تانبا، سیسہ، پھٹکری وغیرہ نکالا جاتا تھا۔

نباتات:

نباتات پر مسلمانوں نے دوسری صدی ہجری میں توجہ دی۔ سب سے پہلے جابر بن حیان نے کتاب ''الحدود'' میں نباتات اور زراعت پر بحث کی ابتداء کی۔ اسی دور میں عبدالملک اصمعی نے کتاب ''النبات والاشجار'' تصنیف کی۔ ابومنصور موفق بن علی حروی عظیم محقق کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ انہوں نے سالہا سال تک جڑی بوٹیوں کی تلاش میں دور دراز علاقوں کے سفر کیے اور وسیع تجربات اور تحقیقات کو جمع کیا۔ انہوں نے پانچ سو چوراسی دواؤں کا ذکر کیا ہے۔

بغداد کے ماہر امراض چشم علی بن عیسٰی نے اپنی کتاب ''تذکرۃ الکحالین'' میں آنکھ کے علاج میں کام آنے والی ایک سو پینتالیس مفرد دواؤں اور جڑی بوٹیوں کے نام دیئے ہیں۔ ان کے ہم عصر مشہور طبیب شیخ بوعلی سینا نے اپنی تصنیف ''القانون فی الطب'' کی دوسری کتاب میں آٹھ سو دواؤں کی تفصیل حروف تہجی کے اعتبار سے دی ہے۔ شیخ کے معاصر البیرونی نے اپنی تصنیف ''الصیدلۃ فی الطب'' میں عربی حروف تہجی کی ترتیب کے مطابق سات سو بیس مقالات کے تحت مفرد دواؤں کی تفصیل بیان کی ہے۔

سپین کے اولین ماہروں میں نامور طبیب عریب بن سعد الکاتب القرطبی، ابن جُلجُل، محمد بن ابراہیم البصال، احمد بن محمد حجاج الاشبیلی، علی ابن اللونقہ، محمد بن مالک الطغنزی اور الحاج الغرناطی وغیرہ شامل ہیں۔

ابن باجہ اور ابوجعفر محمد الغافقی کا نام بھی اپنے کارناموں کی وجہ سے مشہور ہے۔ رشید الدین الصوری اور ابن البیطار نے کئی کتابیں تحریر کی ہیں۔ ابن البیطار کی کتاب ''جامع المفردات الادویہ'' مرتب کی۔ ان کی یہ کتاب پانچ سو سال تک یورپ میں نباتات کے موضوع پر مستند کتاب بنی رہی۔

حیوانات:

سائنس کی دوسری شاخوں کی طرح مسلمانوں نے علم حیوانات کے شعبے میں درخشاں کارنامے انجام دیے ہیں۔ جن کی تاریخ صحرائے عرب سے شروع ہوتی ہے۔ حیوان شناسی میں عرب یونانیوں کی بجائے اپنے ماحول کے مرہون منت ہیں۔ جس نے ان پر اونٹ، گھوڑے اور بکری کی اہمیت واضح کر دی تھی۔ وہ عرب ہی تھے جنہوں نے سب سے پہلے اونٹ کو انسان سے مانوس کر کے

اسے بار برداری کے لیے استعمال کیا۔ جوان کی حیوان شناسی کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

ابوعبیدہ معمر بن مثنی (۷۲۸ء تا ۸۲۴ء) نے حیوانات کے موضوع پر ایک سو کتابیں تحریر کی ہیں۔ ابتدائی دور میں ماہر حیوان شناس عبدالملک اصمعی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جو اپنے زمانے کے بہت بڑے ماہر حیاتیات گذرے ہیں۔ انہوں نے حیوانات کے موضوع پر کئی کتابیں لکھی ہیں جن میں "کتاب الخیل"، "کتاب الابل" اور "کتاب الوحوش" قابل ذکر ہیں۔ عرب ماہرین حیاتیات میں جاحظ (لتوفی ۸۶۸ء) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان کی تصنیف "کتاب الحیوان" معروف ہے۔ جس میں اگرچہ یونانی اثر ہے مگر بنیادی طور پر وہ ایک عربی تصنیف ہے۔ اخوان الصفا نے اپنے رسائل میں حیوانات کی درجہ بندی کر کے اس علم کو آگے بڑھایا۔ مفکرین اسلام میں کندی نے حیوانات کے موضوع پر کئی رسالے تصنیف کیے ہیں۔ ان کے بعد فارابی نے علم حیاتیات کو طبعیات میں شمار کر کے اس کی سائنسی اہمیت اجاگر کی۔ ابن سینا نے حیوانوں کی نفسیات پر بڑی اچھی بحث کی ہے۔ ان کے معاصر ابن مسکویہ نے ارتقاء کا نظریہ پیش کر کے حیوانات کو مختلف درجوں میں تقسیم کیا ہے۔ سپین کے ابن باجہ نے اس موضوع پر قلم اٹھایا۔ ان کے بعد ابن رشد نے ارسطو کی دو کتابوں کی شرح لکھی۔ ابولقاسم المجریطی نے بھی "نسل الحیوان" کے عنوان سے ایک کتاب تحریر کی ہے۔ حیوانات کے موضوع پر ادیبوں، سیاحوں اور ملاحوں نے بھی معلومات فراہم کی ہیں۔ مشہور ادیب ابن قتیبہ الدینوری اور معروف جہازراں بزرگ بن شہریار شامل ہیں۔ شرف الزماں الطاہر المروزی، زکریا ابن محمد القزوینی بھی مشہور ماہر حیوانات ہیں۔ مشہور جغرافیہ دان اور مورخ شمس الدین الدمشقی، نورالدین محمد عوفی اور حمداللہ مستوفی القزوینی نے بھی اس موضوع پر کتابیں لکھی ہیں۔ ان کے علاوہ محمد بن موسیٰ بن عیسیٰ بن علی الدمیری اور محمد بن عبدالکریم الصاوی نے بھی حیوانات کے موضوع پر طبع آزمائی کی ہے۔ مسلمان حکمرانوں نے شکار کے فن کو ایک مکمل ادارے کی حیثیت دی۔ مغل بادشاہوں میں بانی سلطنت ظہیرالدین بابر (التوفی ۱۵۳۰ء) کی خود نوشت سوانح تزک بابری حیوانات کے موضوع پر بہت اہم ہے۔ اس میں پرندوں، جانوروں اور آبی جانوروں کے متعلق دلچسپ اور کارآمد باتیں ہیں۔ برصغیر میں مسلمانوں نے ہاتھیوں کو سدھانے پر خاص توجہ دی ہے۔ جس کے لیے مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے ہاتھی "مولا بخش" کی مثال کافی ہے۔ اسلام نے وحشی انسانوں کے ساتھ ساتھ وحشی درندوں کو بھی مہذب بنایا ہے۔ پہلے وحشی انسان مہذب ہوئے۔ تب انہوں نے درندوں کو تہذیب سے آراستہ کیا۔ خلیفہ المقتدر عباسی کے عہد (۹۵۸ء) میں فوج کے ایک دستے کی پریڈ کے ساتھ ساتھ ایک سو شیر بھی مارچ کرتے تھے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار لکھتے ہیں "تقریباً ایک ہزار سال تک سائنس یورپ میں خوابیدہ تھی۔ عرب جنہوں نے نویں صدی عیسوی تک اپنا دائرہ چین تک وسیع کیا تھا۔ سائنس کے محافظ بن گئے اور دوسرے علوم کی طرح حیاتیات پر بھی انہیں غلبہ تھا"

مسلم ماہرین کو جو چیز یونانیوں سے ممتاز کرتی ہے وہ ان کا براہ راست مطالعہ اور مشاہدہ ہے یونانی مفکرین افکار ونظریات کے بادشاہ تھے۔ مگر عملی دنیا سے انہیں سروکار نہ تھا۔

علم طبیعیات:

علم طبیعیات میں مسلمانوں نے نمایاں حصہ لیا۔ اس میدان میں بہت بڑے بڑے مسلمان سائنسدان گزرے ہیں، ان میں الکندی، جاحظ، ابوریحان البیرونی اور عبدالرحمٰن بن نصیر شامل ہیں۔ یہ تمام اشخاص اپنے اپنے دور میں علم طبیعیات کے بہت بڑے عالم مانے جاتے تھے۔ مثلاً یعقوب بن اسحاق الکندی ایک جامع الکمالات انسان تھے۔ جنہوں نے علم طبیعیات پر بہت سی تصانیف چھوڑی ہیں۔ جن میں سے پندرہ علم مناظرہ پر ہیں۔ بہت سی کتابیں وزنِ مخصوص، مدوجزر اور علم البصر پر ہیں۔ مشہور مسلمان ماہر طبیعیات ابوریحان البیرونی نے علم طبیعیات میں متعدد تصانیف چھوڑی ہیں۔ انہوں نے سب سے پہلے زمین کا قطر معلوم کیا۔ ان کے معلوم کردہ قطر اور موجودہ دور میں جدید آلات کی مدد سے معلوم کردہ قطر میں صرف 79 کلومیٹر کا فرق ہو سکا ہے۔

علم کیمیا:

یہ وہ علم ہے جس سے مختلف عناصر کو کیمیاوی طریقہ سے ملا کر نئے مرکبات بنائے جاتے ہیں۔ کیمیا میں تجربے کا آغاز سب سے پہلے مسلمانوں نے ہی کیا۔ مسلمانوں نے وہ نئے مرکبات متعارف کروائے جن سے یونانی ناواقف تھے۔ ان مرکبات میں گندھک کا تیزاب، شورے کا تیزاب اور ماء الملوک وغیرہ شامل ہیں۔ جابر بن حیان کو علم کیمیا کا جدِ امجد خیال کیا جاتا ہے۔ اس نے بہت سے مفید کیمیاوی نسخے تیار کیے۔ 100 سو سے زیادہ تصانیف چھوڑیں۔ مسلمانوں نے طب میں کیمیا کا استعمال کیا ہے اور کم و بیش تمام مسلمان کیمیا دان طبیب بھی تھے۔ انہوں نے برف بنانے کا طریقہ بہت پہلے معلوم کر لیا تھا۔ انہوں نے روئی سے بنایا ہوا سستا کاغذ یورپ پہنچایا نیز عربوں نے ہی ہمیں بارود سازی کی صنعت سکھائی۔ اگر ہماری معیشت پر عرب تہذیب کی یہ یادگاریں نہ ہوتیں تو ہماری ترقی اس سطح اور درجہ تک نہ پہنچتی۔

علم ریاضی:

موجودہ صدی میں سائنسی علوم میں بے پناہ تحقیق ہوئی ہے۔ تحقیق وترقی کی اس دوڑ میں ریاضی دان بھی دیگر سائنس دانوں اور دانش مندوں کے شانہ بشانہ کام کرتے رہے ہیں۔ بلکہ بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ ماضی قریب میں سائنسی ترقی کا انحصار بہت حد تک ریاضی پر ہے۔

علم ریاضی عربوں کا مخصوص اور مقبول مضمون رہا ہے۔ کندی کا شمار اگرچہ حکمائے اسلام میں ہوتا ہے لیکن اسے علوم ریاضی میں بھی مہارت حاصل تھی۔ علم ریاضی کی ایک اہم شاخ الجبرا کو بھی ایک عرب ریاضی دان محمد بن موسیٰ الخوارزمی نے ایجاد کیا۔

علمِ طب:

علمِ طب میں بھی مسلمانوں نے بہت سے کارہائے نمایاں سرانجام دیے ہیں۔ ماضی میں علمِ طب میں بہت سے مسلمان ماہرین گزرے ہیں جن میں ابوالقاسم ابن العباس الزہراوی ہے۔ زہراوی دنیائے اسلام کے سب سے بڑے سرجن گزرے ہیں۔ ان کی تصنیف ''التصریف'' جس میں آلات جراحی کے نقشے بھی دیے ہوئے ہیں، یورپ میں بہت مقبول ہوئی۔ ہسپتال کا رواج سب سے پہلے مسلمانوں میں ہوا۔

کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں نے طب یونان سے لی تھی۔ لیکن یہ بات سو فیصد درست نہیں ہے۔ مسلمانوں نے یونانی کتب کے ترجموں سے استفادہ ضرور کیا لیکن ان علوم میں مسلمانوں نے نئی روح ڈالی۔ اس فن کو آگے چلایا۔ پہلے سے موجود غلطیوں کی اصلاح کی اور طب اور سائنس کو جو اس سے پہلے محض نظریات تک محدود تھی اور اس کے صحیح یا غلط ہونے کے یکساں امکانات تھے تجربات سے کھرے اور کھوٹے کو الگ کیا اور صحیح نظریات کو واضح کیا چنانچہ موجودہ طب مسلمانوں کی طب کی بنیاد پر قائم ہے۔

علمِ فلکیات:

علم فلکیات اسلامی علوم کا ایک بنیادی علم ہے۔ اس علم میں بھی مسلمانوں نے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے ہندی اور یونانی علوم سے استفادہ کیا۔ ان کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا۔ مختلف ہندی اور یونانی مفکرین کے نظریات کا مطالعہ کیا اور تحقیقات کے شعبے میں غلط نظریات کی نفی کی اور حقیقی علم جس کے پس منظر میں تجربہ کارفرما تھا باقی رکھا۔ یہ علم تجربات سے حاصل ہونے والی ان معلومات کا ماحصل ہے جو بذریعہ حساب یا رصدگاہوں کے آلات کی مدد سے شب و روز کے تعین کے لیے ضروری ہے۔ مسلمانوں نے اس اعتبار سے بطورِ خاص اس علم کا مطالعہ کیا کہ ان کو شب و روز میں پانچ وقت نماز ادا کرنی پڑتی تھی۔ وسط ایشیاء سے لے کر بحیرہ روم تک دمشق، ثمرقند، قاہرہ، فارس اور قرطبہ تک ماہرین ہیئت کا جال پھیلا ہوا تھا۔ بغداد کے علاوہ قاہرہ اور اندلس میں بھی علم ہیئت کے مدارس قائم تھے۔ بغداد اور دمشق کی رصدگاہوں میں جو مشاہدات ہوئے انہیں کتابی شکل میں بھی مرتب کیا گیا۔ ان رصدگاہوں نے جو تحقیقات کی گئیں وہ انتہائی طور پر درست تھیں۔

غزنی بھی بیشتر علمی سرگرمیوں کا مرکز رہا۔ مصر میں فاطمی خلفاء کے عہد حکومت میں علم فلکیات کے مطالعے میں خاصا اضافہ ہوا۔ مختلف خلفاء نے اس پر خصوصی توجہ دی اور سرکاری خزانے کی ایک خطیر رقم رصدگاہ کے لیے مختص کی۔

سلجوقی سلاطین نے اپنے ہاں متعدد ہیئت دان جمع کیے اور ان کے مشاہدات کے لیے ملک شاہ سلجوقی نے نیشاپور میں ایک

NOT FOR SALE

رصدگاہ قائم کی۔ ان میں شمسی سال کی لمبائی کا صحیح تخمینہ لگایا گیا۔ اسی رصدگاہ میں الخازن نے اپنی قابلِ قدر جداول مرتب کی۔ اسی طرح ایلخانی خاندان نے بھی ایک عظیم رصدگاہ قائم کی جس میں منتخب ہیئت دان کام کرتے تھے۔

زراعت و باغبانی:

قرونِ وسطیٰ میں ہی عرب زراعت کے اصولوں سے واقف تھے۔ اندلس اور سسلی کے لوگوں نے کپاس، خوبانی، ناشپاتی، چاول، تربوز اور بینگن کو بحیرہ عرب کے قرب و جوار کے علاقے میں رواج دیا۔ زراعت میں مسلمانوں نے سینکڑوں کتابیں بھی لکھیں۔ عربی زبان زراعتی اصطلاحات سے مالا مال ہے۔

باغبانی اور کاشتکاری مسلم اسپین میں انتہائی عروج پر پہنچ چکی تھی۔ علم نباتات کی تعلیم کے لیے قرطبہ، بغداد اور قاہرہ میں باقاعدہ نباتاتی باغ لگائے گئے تھے جن میں ہر قسم کے تجربے کیے جاتے تھے۔

مسلمانوں نے علم نباتات میں خدمات سرانجام دی ہیں۔ اس میں انہوں نے مندرجہ ذیل پہلوؤں پر خاصی روشنی ڈالی ہے۔

- زرعی اراضی کی اقسام
- زراعت کے لیے زمین کا انتخاب
- کھاد کا استعمال اور فوائد
- زراعت میں استعمال ہونے والے آلات
- پھلدار درختوں کی شجرکاری اور پیوندکاری
- پھولوں کی مختلف اقسام، خوشبودار پھول جن سے عطر وغیرہ کشید کیا جاتا ہے۔
- ایسے درخت دریافت کیے جن سے مختلف قسم کی گوند حاصل کی جاتی ہے۔
- نباتات کے اصلی وطن ان کے اگنے کے لیے زمین کی نوعیت اور مختلف علاقوں کی مختلف ترکاریوں اور پودوں کے بارے میں معلومات

عرب اس بات سے بھی آگاہ تھے کہ کس طرح فصلوں کو بدل بدل کر کاشت کرنا چاہیے۔ اندلس میں بعض ماہرین کے پاس نباتاتی باغات اور آزمائشی کھیت ہوا کرتے تھے جہاں وہ ہر وقت مختلف پودوں وغیرہ پر تحقیقات کرتے تھے۔ اس کے علاوہ باہر سے لائے گئے پودوں پر بھی تحقیقات کی جاتی تھیں تاکہ ان کے لیے موزوں موسم اور زمین کا پتہ چلایا جا سکے۔

زراعت میں مسلمانوں کی کتابیں ان کے ذاتی مشاہدات پر مبنی تھیں۔ اس وقت دنیا کی مختلف لائبریریوں میں مسلمانوں کی

NOT FOR SALE

جو کتابیں اس موضوع پر ملتی ہیں وہ زراعت کی تمام شاخوں پر مشتمل ہیں۔ اور وہ نصابی کتب کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کتابوں کے مصنفین اپنے زمانے کے زراعت کے ماہرین تھے۔ اس طرح ان کی کتابوں کی تاریخی اعتبار سے بھی ایک اہم حیثیت ہے۔ تصنیف و تالیف کے بڑے بڑے مراکز قرطبہ، طلیطہ، اشبیلیہ اور غرناطہ تھے۔

فن تعمیر:

فن تعمیر کسی قوم یا ملک کا صحیح عکس ہوتا ہے۔ اسلامی عمارتوں میں سادگی کے ساتھ ساتھ دلکشی اور دل فریبی ہر قدم نمایاں ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو آپ نے یہاں مسجد اور مکان تعمیر کیے۔ بیک وقت مذہبی اور دفتری دونوں قسم کے طرز تعمیر کی بنیاد اپنے مبارک ہاتھوں سے رکھی۔

مسلمان معماروں نے اپنی تعمیرات میں بہت جلد کمال کی فنی حیثیت کا اندازہ کر لیا جو آگے چل کر مسلمانوں کے فن تعمیر کا ایک حصہ بن گئی۔ مسلمانوں کے فن تعمیر کا ہر ایک نمونہ ظاہر کرتا ہے کہ اس میں تعمیر کے ساتھ زیب و زینت پر بھی زور دیا گیا ہے۔ خصوصاً مسجد کے اندرونی حصہ کی زیب و زینت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

فلسفہ:

ایک مشہور فرانسیسی مورخ لکھتے ہیں کہ ''قرون متوسطہ میں یورپ کے مدارس فلسفہ کے جن کتابوں کا درس دیا کرتے تھے وہ سب فلاسفہ عرب کی تالیفات سے خوشہ چین ہو کر تالیف ہوتی تھیں''۔ مسلمان یونانی فلسفیوں کی کتابوں سے مامون الرشید کے عہد میں آشنا ہوئے جب خلیفہ نے قیصر روم سے یونانیوں کی کتابیں منگوائیں اور ان کا ترجمہ عربی میں کرایا۔ ان ترجموں پر نظر ثانی کا کام جس شخص کو تفویض کیا گیا وہ ابو یوسف یعقوب بن اسحاق الکندی تھے۔ کندی پہلے شخص تھے جنہوں نے ''فلسفی'' کا لقب پایا۔ کندی نے فلسفے پر بیس کتابیں لکھیں۔ جن میں کم و بیش پندرہ کتابیں محفوظ ہیں۔ کندی نے فلسفہ کے علاوہ طب، ریاضی، موسیقی، طبیعیات، مرئیات، فلکیات، موسمیات، نفسیات، جدلیات اور دوسرے موضوع پر کتابیں لکھیں۔

فارابی کو فلسفہ، طب، ریاضی، موسیقی، طبیعیات، سیاسیات اور فلکیات سے شغف تھا ان علوم میں ان کو دسترس حاصل تھی۔ وہ دنیا کی ستر زبانوں کے ماہر تھے۔ فارابی نے ۱۱۴ کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ان میں تقریباً پچاس کا تعلق فلسفہ اور منطق سے ہے۔ فارابی نے فلسفہ یونان کو اسلام سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی یہ کام ان سے پہلے کندی نے شروع کیا تھا۔ فارابی کے بعد مشرق کے مسلمانوں میں سب سے بڑے فلسفی ابن سینا ہیں۔ ابن سینا کے افکار نے یورپ کو بہت متاثر کیا ہے۔ ان کی کتاب ''الشفاء'' کا ترجمہ بارہویں صدی میں لاطینی میں کیا گیا۔ جس شخص نے مشرق میں فلسفہ یونان کی ساری عمارت زمین بوس کر کے رکھ دی اس کا نام ابو حامد محمد بن محمد الغزالی تھا۔ جو آگے چل کر حجۃ الاسلام امام غزالی کہلائے۔ امام غزالی کی تصنیفات میں سب سے اہم کتاب ''احیاء علوم الدین'' ہے جو چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ فقہ، منطق، کلام اور تصوف و اخلاق کے موضوعات پر انہوں نے اسّی سے زائد کتابیں تصنیف کی ہیں۔ امام غزالی کے بعد مسلمانوں میں چوٹی کے سائنسدان پیدا ہوئے۔ جن میں الادریسی، نصیر الدین طوسی، قطب الدین الشیر ازی، کمال الدین فارسی، ابن النفیس، ابن شاطر، جمشید کاشی، قاضی زادہ رومی وغیرہ قابل ذکر ہیں جنہوں نے فلسفہ کو دوبارہ زندگی بخشی ان میں ابن باجہ، ابن رشد اور ابن طفیل شامل ہیں۔ سپین میں مسلم فلسفے کا آغاز ابو بکر محمد ابن یحیٰ المعروف بہ ابن الصائغ ابن باجہ سے ہوا۔ ابن طفیل غرناطہ کے شمال میں چالیس میل دور وادی آش میں پیدا ہوئے۔ ابن طفیل فلسفہ، طب، ریاضی اور فلکیات کے ماہر تھے۔ ابن رشد ۱۱۲۶ء میں قرطبہ میں پیدا ہوئے۔ وہ مختلف علوم میں مہارت رکھتے تھے۔ ابن رشد نے ارسطو کے شارح کی حیثیت سے بہت شہرت پائی۔ ابن رشد کی فلسفیانہ تحریروں میں ''فصل المقال فیما بین الحکمۃ والشریعۃ من الاتصال'' اہم کتابیں ہیں۔

تاریخ نگاری:

قرآن مجید میں پچھلی امتوں کا تذکرہ بار بار آیا ہے۔ اس لیے کہ مسلمانوں کے لیے ان قوموں کے حالات سے واقف ہونا ضروری تھا۔ چنانچہ قرآنی واقعات کی تحقیق کا جذبہ ہی مسلم تاریخ نگاری کے لیے اولین محرک ثابت ہوا علاوہ ازیں خود سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مغازی نے بھی اس تاریخ کی ترقی میں اہم رول ادا کیا۔ حدیث، تاریخ اور سیرت نگاری میں مسلمانوں کا سب سے عظیم کارنامہ فن اسماء الرجال ہے یہ وہ فن ہے جس میں احادیث و سنن کی صحت معلوم کرنے کے لیے راویوں کی جانچ پرکھ ہوتی ہے۔ قرآن مجید کے بعد اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شریعت کا دوسرا اہم ماخذ ہے۔ اس لیے محدثین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی احادیث میں صحیح اور غلط کے درمیان تمیز کرنے کے لیے یا دوسرے لفظوں میں احادیث کی صحت و سقم جاننے کے لیے راویوں کے حالات معلوم کرنے کا فن ایجاد کیا جو فن اسماء الرجال کے نام سے مشہور ہوا اس فن کا فائدہ یہ ہوا کہ ایسے تقریباً بارہ ہزار افراد کے حالات تاریخ میں محفوظ ہو گئے۔ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کرنے کا شرف حاصل کیا تھا۔ ان کے علاوہ تابعین اور تبع تابعین میں سے ہزاروں راویوں اور پھر ان سے روایات کرنے والوں کے حالات بھی اس فن کی بدولت تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں۔ ایک اندازہ کے مطابق فن اسماء الرجال سے جن لوگوں کے حالات محفوظ ہو گئے ہیں ان کی تعداد پانچ لاکھ ہے۔ دنیا میں کوئی قوم ایسی نہ گذری اور نہ باقی ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال جیسا فن ایجاد کیا ہو۔ اس فن کا نتیجہ یہ نکلا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا ایک ایک لمحہ تاریخ کی روشنی میں محفوظ ہو گیا۔

★ **مذہبی تعصب:**

بعض نام نہاد علماء نے یہ تأثر دیا کہ سائنسی علوم غیر اسلامی ہیں اس لیے ان کا حاصل کرنا گناہ ہے۔ اسی تصور کی بنا پر آنے والی نسلیں سائنسی علوم سے دور ہوتی چلی گئیں۔ حالانکہ اسلام اور سائنس آپس میں متصادم نہیں ہیں، اسلام نہ صرف سائنسی علوم کی حوصلہ افزائی کرتا ہے بلکہ اس میدان میں آگے بڑھنے اور غور وفکر کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

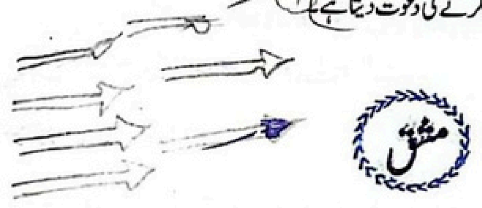

سوال 1: درج ذیل سوالات کے تفصیل سے جواب دیں

الف۔ سائنسی علوم کی ترقی میں مسلمانوں کی خدمات پر مفصل نوٹ تحریر کریں۔

ب۔ سائنسی علوم کے اسلامی مآخذ کون سے ہیں؟ قرآنی آیات کی روشنی میں بیان کریں۔

ج۔ مسلمانوں نے علم کے ہر میدان میں دنیا کی رہنمائی کی۔ بحث کریں۔

د۔ عہدِ حاضر میں سائنس میں مسلمانوں کی پسماندگی کے کیا اسباب ہیں؟

ہ۔ مشہور مسلمان سائنسدان جابر بن حیان نے جدید سائنس کی بنیاد رکھی۔ اس بیان کی صداقت کا جائزہ لیں۔

سوال 2: درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں۔

الف۔ علمِ فلسفہ سے کیا مراد ہے؟

ب۔ علمِ طبیعیات اور ریاضی میں کن مسلمانوں نے نمایاں کردار ادا کیا؟

ج۔ "سیاستِ مدینہ" کس کی تصنیف ہے؟

د۔ بوعلی سینا نے کن کن علوم میں کمال حاصل کیا؟

ہ۔ جابر بن حیان کی کیمیائی ایجادات کے نام تحریر کریں؟

و۔ ابنِ الہیثم کی کتابوں کے نام لکھیں؟

ز۔ ابو منصور ماتریدی کن علوم کے ماہر تھے؟

ح۔ اشاعرہ مکتبِ فکر کی بنیاد کس نے رکھی؟

ط۔ معتزلہ مکتبِ فکر کے کوئی سے دو علماء کے نام لکھیں۔

سوال 3: درج ذیل سوالات کے مناسب ترین جواب کا انتخاب کریں۔

الف۔ یعقوب الکندی نے تقریباً کتنی کتابیں لکھیں؟

i۔282 ii۔382 iii۔482 iv۔582

ب۔ "الحکمة المتعالیة فی الاسفار الاربعة العقلیة" کس کی کتاب ہے؟

i۔الفارابی ii۔بوعلی سینا iii۔الکندی iv۔صدرا شیرازی

ج۔ الکندی، جاحظ، بنودتی، البیرونی اور الرازی نے کس علم میں نمایاں کردار ادا کیا؟

i۔کیمیاء ii۔ریاضی iii۔طبیعات iv۔طب

د۔ ابو منصور ماتریدی کہاں پیدا ہوئے؟

i۔ایران ii۔بخارا iii۔مصر iv۔عرب

ہ۔ بوعلی سینا نے کتنے سال کی عمر میں ابنِ منصور کا علاج کیا۔

i۔17 ii۔18 iii۔19 iv۔20

و۔ جابر بن حیان نے کتنی کتابیں لکھیں؟

i۔100 ii۔150 iii۔200 iv۔50

ز۔ عملِ جراحت پر کتاب "التصریف" کس نے لکھی ہے؟

i۔بوعلی سینا ii۔الزہراوی iii۔الفارابی iv۔ابن الہیثم

ح۔ مسلمانوں کے تیار کردہ کس چیز کے برتن چینی کے برتنوں پر سبقت لے گئے

i۔کانسی ii۔مٹی iii۔چاندی iv۔پتھر

سرگرمی

معلم/معلمہ، طلباء/طالبات کو جوڑوں میں تقسیم کر کے عصرِ حاضر میں سائنس میں مسلمانوں کی پستی کے اسباب معلوم کروائیں۔

باب ہفتم

اسلامی تہذیب وتمدّن (تعارف واہمیت)

تدریسی مقاصد

اس سبق کے پڑھنے کے بعد طلبہ/طالبات اس قابل ہو جائیں گے کہ:
وہ تاریخی تناظر میں اسلامی تہذیب وتمدن کے ارتقاء کو جان سکیں تا کہ عصر حاضر میں امت مسلمہ کے سیاسی، معاشرتی اور معاشی مسائل کے حل کی تحریک پا سکیں۔

تہذیب وتمدّن کا مفہوم ومعنی:

تہذیب کے لفظی معنی کانٹ چھانٹ اور اصلاح کے ہیں۔ رفتہ رفتہ اس کے معنوں میں وسعت پیدا ہوتی گئی۔ چنانچہ اب یہ لفظ طرزِ زندگی اور طریقِ معاشرت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

ہر قوم ایک مخصوص طرزِ زندگی اور جداگانہ عادات واطوار کی مالک ہوتی ہے جو اسے دوسری اقوام سے ممتاز کرتی ہے، اسی ظاہری شکل وصورت کو تہذیب کہا جاتا ہے۔ گویا کہ ایک قوم کے وہ خدوخال جو اسے دوسری قوموں سے ممتاز کریں، اس کی تہذیب کہلاتی ہے۔

اسلام میں دین تہذیب کا سرچشمہ ہے۔ اس لیے اپنے تمام جذبات، افعال، طرزِ رہائش، عادات واطوار، طریقِ زندگی اور معیشت ومعاشرت کو دین کے تابع بنانے کا نام اسلامی تہذیب ہے۔ پس اسلامی تہذیب سے مراد وہ تہذیب ہے جو اسلام کے بنیادی نظریات اور اسلامی عقائد کی پیداوار ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنے انقلابی ارشادات اور حکیمانہ تعلیمات کے ذریعے جو ذہنی وعملی انقلاب پیدا کیا، اس کا نام اسلامی تہذیب ہے۔ اس تہذیب کے درخشاں پہلو تاریخِ اسلام میں ملتے ہیں اور بعض اوقات وہ اپنی پوری شان سے جلوہ گر نظر آتی ہے مثلاً عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور خلافتِ راشدہ۔

اسلامی تہذیب کی خصوصیات:

ا۔ توحید:

اسلامی تہذیب کی بنیاد نظریہ توحید پر استوار کی گئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بادشاہی اور حکومت میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ صرف اسی کی عبادت کرنی چاہیئے۔ اسی کے احکام کی اطاعت ضروری ہے۔ اسلامی تہذیب میں شرک اور بت پرستی کی کوئی گنجائش نہیں۔

۲۔ اخلاقی تہذیب:

اسلامی تہذیب میں اخلاقی تزکیہ نفس اور کردار کی پاکیزگی کو اولین اہمیت حاصل ہے۔ گویا اس تہذیب کا مزاج مذہبی بھی ہے اور اخلاقی بھی۔ اسلامی تہذیب کے معلم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے آغاز دعوت ہی سے اخلاق وکردار کو سنوارنے پر زور دیا جس کا ایک تاریخی ثبوت یہ ہے کہ ابھی آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم مکہ ہی میں تھے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بھائی کو اس نئے پیغمبر کے حالات وتعلیمات کی تحقیق کے لیے مکہ بھیجا۔ انہوں نے اطلاع دی کہ

''میں نے اس کو دیکھا کہ لوگوں کو اخلاقِ حسنہ کی تعلیم دیتا ہے''۔ (السیرۃ النبویۃ لابن کثیر۔ ص:447/1)

آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اسلامی معاشرے میں جو اخلاقی انقلاب برپا کیا اس کی مثال اسلامی تاریخ میں نہیں ملتی۔

۳۔ سادگی:

اسلامی تہذیب کی ایک امتیازی خصوصیت عیش وعشرت سے بیزاری ہے۔ اسی لیے اسلام نے روزمرہ کی زندگی میں سادگی کو سرفہرست رکھا۔ اسے ایمان کی علامت بتایا اور تاکید کی کہ سادہ کھاؤ، سادہ پہنو، تکلف، فضول خرچی اور عیاشی کا طریقہ اختیار نہ کرو۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے دولت کی فراوانی کو امت کے اسبابِ زوال میں شمار کیا ہے۔ اسلامی معاشرے سے رشوت کو ختم کرنے کے لیے سادگی ایک درست حل ہے۔

۴۔ دین ودنیا کی وحدت:

اس تہذیب نے دین ودنیا کی اس مصنوعی علیحدگی کو ختم کر دیا جو مختلف تہذیبوں میں رائج ہے۔ اپنی دنیاوی بہتری سے غفلت برتنا اور یہ سمجھنا کہ انسان اپنی آخرت سنوار رہا ہے غلط ہے۔ یہ تہذیب سکھاتی ہے کہ دنیاوی واُخروی زندگی دونوں کی اصلاح ضروری ہے اور ان میں سے کسی کو بھی ترک نہیں کیا جا سکتا۔ یہ تہذیب انسان کی دنیاوی فلاح کی اتنی ہی ضامن ہے، جتنی اخروی فلاح کی۔ اس لیے مسلمان کو جو دعا سکھائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اے اللہ تعالیٰ! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بہترین بھلائی دے۔ (سورۃ البقرہ:201)

۵۔ جامعیت:

اسلامی تہذیب کی ایک نمایاں خصوصیت جامعیت ہے۔ یہ زندگی کے ہر شعبے پر حاوی ہے اور دینِ اسلام کے تمام تقاضوں کو پورا کرتی ہے۔ حیاتِ انسانی کا کوئی گوشہ خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی، معاشی ہو یا سیاسی، اسلام کی ہدایات سے محروم نہیں رہا۔ اس تہذیب کا اپنے علمبرداروں سے مطالبہ ہے۔ ''اے اہلِ ایمان! اسلام میں پوری طرح داخل ہو جاؤ''۔ (البقرہ آیت 208:) اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک مسلمان اپنے کُل معاملات میں خدا کی پیروی کرنے والا ہے۔ اس کی خلاف ورزی کو شیطان کی پیروی قرار دیا گیا ہے۔

۶۔ اخوت ومساوات:

اسلامی تہذیب کی ایک اہم خصوصیت اخوت ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ سب مومن بھائی بھائی ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ سب مومن ایک جسم کی مانند ہیں جس طرح جسم کا کوئی عضو تکلیف میں مبتلا ہو تو سارا جسم بے قرار ہو جاتا ہے اسی طرح ایک مومن کی تکلیف دوسرے کو بے چین کر دیتی ہے۔ (صحیح بخاری 6011۔ مسلم 6751)

اسی طرح اسلامی تہذیب کی ایک بڑی خصوصیت مساوات ہے۔ یہ مساوات حقوق و فرائض کی مساوات ہے۔ ہر وہ شخص جو توحید و رسالت اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اس تہذیب کا رکن ہے، کالے اور گورے کی کوئی تمیز نہیں۔ رنگ، نسل اور وطن کا کوئی امتیاز نہیں۔ اگر کوئی وجہ امتیاز ہے تو وہ صرف پرہیزگاری ہے۔ قرآن مجید کہتا ہے: ''تم میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو''۔ (الحجرات: آیت 13)

۷۔ روادار تہذیب:

اس تہذیب کا ایک امتیاز اس کی حیرت انگیز مذہبی رواداری ہے۔ جو کسی ایسی تہذیب میں نہیں پائی گئی جو دینی بنیادوں پر قائم ہو۔ تہذیب اسلامی نے تاریخ اسلام میں سب سے زیادہ مذہبی رواداری اور اخلاقی بردباری کا نمونہ پیش کیا۔ قرآن مجید میں واشگاف الفاظ میں یہ اعلان کیا گیا ہے کہ ''مذہب میں کوئی جبر نہیں''۔ (البقرہ آیت 256)

۸۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر:

اس تہذیب میں ایک خوبی ایسی ہے جس کا مقابلہ کوئی دوسری تہذیب نہیں کر سکتی کہ یہ تہذیب ایک ایسے ماحول کو جنم دیتی ہے جو نیکی کے لیے بڑا سازگار اور برائیوں کے لیے موت کا پیغام ہے۔ اس میں نیکیاں پھلتی پھولتی ہیں اور برائیاں دب جاتی ہیں۔ نیکی کی تلقین اور برائیوں سے روکنے کے لیے اس امت کو وجود میں لایا گیا۔ اس فریضے کی تکمیل کی بنا پر یہ ملت ''خیر الامت'' کے عظیم لقب سے نوازی گئی۔ پس یہ تہذیب ہر لحاظ سے فیض رسان، پرامن اور سکون بخش ہے۔

اسلامی تہذیب وتمدن کا فروغ

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں اسلامی تہذیب وتمدن کا فروغ:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمانوں کے پہلے خلیفہ تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا دورِ حکومت جون 632 عیسوی تا اگست 634 عیسوی بمطابق ربیع الاول 11 ہجری تا جمادی الثانی 13 ہجری تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مسلمانوں کے پہلے خلیفہ بنے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فوراً متعدد مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اسلامی ریاست جو نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے قائم کی تھی، سخت حالات کا شکار ہو گئی۔ ہر طرف بغاوتوں اور فتنوں کا زور و شور تھا۔ مگر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی ثابت قدمی کے باعث ایک مرتبہ پھر تمام عرب ممالک کو اسلام کے جھنڈے تلے جمع کیا اور اسلامی تہذیب وتمدن کو فروغ دیا۔ ان حالات کے پیشِ نظر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسلامی ریاست کا دوسرا بانی قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور کے اہم اقدامات:

- ★ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بغاوتوں کو ختم کر کے از سرِ نو اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی۔
- ★ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکومت کا نظام مشورے پر رکھا۔ ہر اہم معاملے میں آپ صحابہ کرام سے مشورہ کیا کرتے تھے۔
- ★ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ملک کا نظام چلانے کے لیے ملک کو دس حصوں میں تقسیم کیا اور ہر حصے کا ایک حاکم مقرر کیا۔
- ★ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیت المال تعمیر کرایا لیکن خزانے میں دولت جمع نہیں کی۔
- ★ فوجی نظام کو باقاعدہ بنانے کے لیے فوج کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے ہر دستے کا سپہ سالار مقرر فرمایا اور ان تمام سپہ سالاروں پر ایک سپہ سالارِ اعلیٰ مقرر کیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں:

حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوسرے خلیفہ راشد تھے۔ آپؓ کا دورِ حکومت اگست 634 عیسوی تا نومبر 644 عیسوی بمطابق جمادی الثانی 13 ہجری تا محرم الحرام 24 ہجری تھا۔ اسلام میں خلافت یا حکومت کی بنیاد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں پڑی لیکن نظامِ حکومت کا دور حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد سے شروع ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیق

CamScanner

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دورِ حکومت مختصر بھی تھا اور اس میں انہیں کئی قسم کے فتنوں سے نمٹنا پڑا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں ایک طرف حکومت کو وسعت دی اور دوسری طرف مکمل نظامِ حکومت کی تشکیل کر کے اس کے مختلف اداروں کو مضبوط اور مستحکم کر دیا۔ اسلامی تہذیب و تمدن کے اعتبار سے یہ دور مثالی تھا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور کے اہم اقدامات:

- ★ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نظامِ حکومت شخصی حکومت کے بجائے جمہوریت کے زیادہ قریب تھا۔
- ★ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پورے ملک کو صوبوں اور اضلاع میں تقسیم کر کے ہر علاقے کے آفیسر مقرر کیے۔
- ★ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرکاری ملازمین کے احتساب میں کوئی رعایت نہیں برتتے تھے۔ ان کے خلاف شکایات سنی جاتیں تھیں اور فوراً دادرسی کی جاتی تھی۔
- ★ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیت المال قائم کیا، اس کا دفتر بنایا، عملہ رکھا اور لوگوں کے وظائف مقرر کیے۔
- ★ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جاگیرداری نظام کو ختم کر کے بے زمین کاشتکاروں کو زمینیں دیں۔
- ★ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر شخص کو بنیادی ضروریات کی فراہمی کا اہتمام کیا۔
- ★ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کر دیا اور عدلیہ کو فوری عدل و انصاف فراہم کرنے کا حکم دیا۔
- ★ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امن و امان قائم کرنے کے لیے پولیس کے محکمے کی بنیاد رکھی۔
- ★ رفاہِ عامہ کے لیے نہریں کھدوائیں، سڑکیں بنوائیں، پل تعمیر کروائے، مہمان خانے اور سرائیں بنوائیں۔
- ★ تعلیم لازمی قرار دی اور پورے ملک میں مکاتب و مدارس کا جال بچھایا۔
- ★ باقاعدہ تنخواہ دار فوج رکھی اور فوجی تربیت کے لیے اکیڈمی قائم کی۔
- ★ باقاعدہ سیکرٹریٹ قائم کیا جس میں تمام امورِ مملکت کا ریکارڈ رکھا جاتا تھا۔
- ★ غلاموں اور ذمیوں کے حقوق کے تحفظ کا انتظام کیا۔
- ★ آزاد خارجہ پالیسی کے خطوط متعین کیے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں:

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت کے آغاز میں ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

ترغیب سے اسلام لے آئے تھے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی دو صاحبزادیاں حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یکے بعد دیگرے نکاح آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کر دیا تھا۔ جس کی وجہ سے ان کا لقب "ذوالنورین" ہے۔ اہلِ مکہ کی اذیتوں سے تنگ آ کر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حبشہ کی جانب ہجرت کی مگر کچھ مدت کے بعد مکہ میں یہ افواہ پھیلی کہ سب مکہ والے مسلمان ہو گئے ہیں تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ واپس آ گئے، بعد میں جب ہجرت کا حکم ہوا تو ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ چنا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت نومبر 644 عیسوی تا جولائی 656 عیسوی بمطابق محرم الحرام 24 ہجری تا محرم الحرام 36 ہجری تھا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور کے اہم اقدامات:

- ★ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رومیوں سے مقابلہ کے لیے بحری بیڑہ تیار کرایا۔
- ★ آپ رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی اور مسجد الحرام میں تعمیر و توسیع کی۔
- ★ زراعت کو ترقی دینے کے لیے آپ نے بہت سی نہریں کھدوائیں۔
- ★ آپ رضی اللہ عنہ نے فوجی طاقت میں اضافہ کیا اور فوجیوں کو مختلف سہولیات فراہم کیں۔
- ★ آپ رضی اللہ عنہ نے بہت سے علاقے فتح کیے۔ ان فتوحات کی وجہ سے اسلامی حکومت ہندوستان کی سرحد سے لے کر شمالی افریقہ کے ساحل اور یورپ کی مشرقی سرحدوں تک وسیع ہو گئی۔
- ★ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں دور دراز سے آنے والے تاجروں کے لیے مہمان خانے تعمیر کروائے۔
- ★ جدّہ میں آپ رضی اللہ عنہ نے بندرگاہ تعمیر کروائی۔
- ★ آپ رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کے مختلف نسخوں کو اکٹھا کر کے انہیں ایک ترتیب دی اور اس نسخے کی نقول کو تمام علاقوں میں بھجوایا گیا۔ قرآن مجید کی وہ ترتیب آج بھی قائم ہے اور مصحفِ عثمانی کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں:

آپ رضی اللہ عنہ کا نام علی، کنیت ابوالحسن اور ابوتراب، اور لقب حیدر تھا۔ آپ مسلمانوں کے چوتھے خلیفہ راشد تھے۔ آپ کا دورِ خلافت 656 تا 661 عیسوی بمطابق محرم الحرام 36 ہجری تا ربیع الاوّل 41 ہجری تھا۔ ایمان لانے کے وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر دس سال تھی۔

ملوکیت کے اثرات ونتائج:

دین وسیاست میں علمی تفریق ہوگئی۔ حکمران علم اور دین میں کوئی خاص مقام نہیں رکھتے تھے۔ اس لیے علماء اور اہل دین کی ضرورت ان کو پڑتی رہتی تھی۔ جب بھی انہوں نے علماء اور اہل دین سے مشورہ لیا اور جب چاہا تو انہوں نے ان کی بات قبول کی اور جب چاہا ان کے مشورے پر عمل نہیں کیا۔ اس لیے اہل دین اور اہل علم یا تو سیاسی زندگی سے کنارہ کش ہوگئے یا وقتاً فوقتاً ان کے خلاف خروج کرتے تھے اور بعض اصلاح وتربیت کے کام میں مشغول ہوگئے۔

ارکان حکومت یہاں تک کہ خود خلفاء دین واخلاق کا کامل نمونہ نہ تھے۔ بلکہ ان میں بعض اشخاص میں جاہلی جراثیم اور میلانات پائے جاتے تھے۔ عیش وعشرت کی زندگی عام ہوگئی۔ تفریحات اور لہو ولعب کا بازار گرم ہوگیا۔ دنیا کی زندگی اور اس کی لذتوں کی ہوس بڑھ گئی۔

فلسفیانہ موشگافیاں:

اس دور انحطاط میں مسلمان علماء اور مفکرین نے جس قدر علوم مابعد الطبیعیات اور یونانیوں کی الٰہیات کی طرف توجہ کی اور اپنی بہترین قابلیت وذہانت اس لاحاصل مشغلہ میں صرف کی اس انہاک نے ان کو علوم اور تجربوں کی طرف توجہ کرنے کا موقع نہ دیا کہ کائنات کی طبعی قوتوں کو مسخر کرتے اور پھر ان کو اسلام کے مقاصد کا نوکر بنا کر اسلام کے مادی اور روحانی تسلط کو تمام عالم پر قائم کر دیتے۔

شرک وبدعات:

اس دور انحطاط میں مسلمانوں میں شرک وجہالت کے عقائد وخیالات اور دینی گمراہی پیدا ہونا شروع ہوئی اور مسلمانوں میں ایسی بدعات نے جنم لیا جنہوں نے مذہبی زندگی کی ایک بڑی جگہ کو گھیر لیا اور مسلمانوں کو صحیح دین سے محروم کر لیا اور دین میں انسانی عقل نے دخل اندازی شروع کر دی اور لوگ خود ساختہ اعمال ورسومات پر عمل کرنے لگے اور دنیا وآخرت کی سعادت سے محروم ہوگئے۔ یہاں تک کہ ساتویں صدی ہجری کے وسط میں ان کا سیاسی انتشار، اخلاقی کمزوری اور ضعف پورے طور پر نمایاں ہوگیا اور اسلامی طاقت کا وہ مہیب سایہ جو دور سے نظر آتا تھا، اوجھل ہوگیا اور وحشی قوموں اور حریف طاقتوں نے مسلمانوں کو نرغہ میں لیا اور اسلامی ممالک ایک لاوارث مال کی طرح فاتحین میں تقسیم ہونے لگے۔

★حکومتی سرپرستی کا فقدان:

علوم وفنون سلاطین وامراء کی سرپرستی میں پھیلتے ہیں۔ ابتدائی دور میں عباسی اور اموی خلفاء علوم وفنون میں بہت دلچسپی رکھتے تھے۔ انہوں نے سائنسی علوم کی ترویج وترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور ان علوم پر دولت کے دریا بہا دیے، جس کے نتیجے میں بے شمار سائنسدان پیدا ہوئے۔ لیکن جب خلفاء اور سلاطین عیش وعشرت کی جانب مائل ہوگئے تو درباروں میں علماء وفضلاء کی جگہ مسخرے اور ناچنے گانے والے جمع ہوگئے۔ سلاطین وامراء نے علماء وفضلاء کی سرپرستی سے ہاتھ اٹھا لیا تو سائنسی علوم کو زوال آنے لگا۔

★حکومتوں کا نفاق اور زوال:

جب تک مسلمان آپس میں امن واتحاد سے رہتے رہے، علوم وفنون بھی ترقی کرتے رہے، مگر جب مسلمانوں میں نفاق پیدا ہوگیا تو ایک متحدہ اسلامی ریاست کئی حصوں میں بٹ گئی اور کئی خودمختار ریاستیں قائم ہوگئیں۔ ان ریاستوں کے حکمرانوں نے علوم وفنون کی طرف کوئی خاص توجہ نہ دی اور سائنسی علوم کو زوال آنے لگا۔

★علمی ذخیرہ میں کمی:

مسلمانوں نے بیش بہا علمی ذخیرہ جمع کیا تھا، جس میں سائنسی علوم پر صدہا کتابیں لکھی گئیں تھیں، وہ سب سقوطِ بغداد کی وجہ سے ضائع ہوگئیں۔ یوں متقدمین کی سائنسی تحقیقات پر پانی پھر گیا اور آنے والی نسلوں کو سائنسی میدان میں آگے بڑھنے کے لیے تحقیقی مواد ناپید ہوگیا۔ اب یہی علاج رہ گیا تھا کہ اس میدان میں از سر نو تحقیقات اور تجربات کیے جائیں۔ یہ کام مالی سرپرستی کے بغیر ناممکن تھا، اس لیے نئی نسلوں نے اس طرف بہت کم توجہ دی۔

★رقص وموسیقی کی طرف توجہ:

ہر دور میں جیسے جیسے حکومتوں کا رخ بدلتا رہتا ہے، لوگوں کے رجحانات بھی بدلتے رہتے ہیں۔ ابتداء میں حکومتوں کا رخ جدید علوم وفنون یعنی فلسفہ، ہیئت، طب، فلکیات وغیرہ کی طرف زیادہ تھا، چنانچہ سائنسی علوم نے ترقی کی اور بے شمار سائنسدان پیدا ہوئے۔ زمانہ بدلنے کے ساتھ ساتھ سلاطین وامراء کا رجحان عیش پرستی کی طرف ہوتا چلا گیا تو لوگوں کا رخ بھی سائنسی علوم کی بجائے رقص وموسیقی کی طرف ہوگیا۔ آنے والی نسلوں نے سائنسی علوم کو بے کار سمجھا۔ حکومتیں بدل گئیں، تو اخلاقی اقدار کے ساتھ ساتھ علمی اقدار بھی بدل گئیں، چنانچہ مسلمانوں میں سائنسدان بھی ناپید ہوگئے۔

CS CamScanner

ہو گیا۔ ان کی وفات 1048 عیسوی میں ہوئی۔

البیرونی نے بہت سی کتابیں لکھیں جن میں سے چند ایک کے نام درج ذیل ہیں۔

- ★ کتاب العمل بالاصطرلاب
- ★ کتاب تسطیح الکرہ
- ★ کتاب الہند
- ★ قانونِ مسعودی
- ★ آثار الباقیہ
- ★ کتاب الجماہیر فی الجواہر

سائنس کے میدان میں تحقیق کے سلسلے میں البیرونی کے چند کارنامے درج ذیل ہیں۔

- ★ البیرونی نے قیمتی پتھروں اور موتیوں کی کثافت معلوم کی۔
- ★ البیرونی نے ثابت کیا کہ زمین کا محیط 24779 میل ہے۔ جدید ترین تحقیقات کے مطابق زمین کا محیط 24858 میل کیا گیا۔ اس طرح البیرونی کے بیان اور جدید تحقیق میں صرف 79 میل کا فرق ہے۔
- ★ البیرونی نے پتھروں اور موتیوں کے علاوہ مختلف دھاتوں کی کثافتِ اضافی کی صحیح پیائش کی اور اسے ریکارڈ کیا۔ اس سلسلے میں اس کی کتاب "کتاب الجماہیر فی الجواہر" ہے۔

عصرِ حاضر میں سائنس میں مسلمانوں کی پسماندگی کے اسباب

مسلمانوں میں سائنسی تحقیق کے زوال کے اسباب درج ذیل ہیں۔

اغیار کی محکومی:

آج سے دو سو سال قبل تک مسلمان سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کر رہے تھے۔ اس مرحلے پر مختلف وجوہات کی بناء پر مسلمان یورپی اقوام کے غلام بن گئے۔ دو صدیوں کے اس طویل دور غلامی میں مسلمان سائنس دان اور ماہرین حکومت کی سرپرستی اور وسائل سے محروم ہو گئے۔ یہ مسلمانوں کے سائنس میں پیچھے رہ جانے کا اہم سبب ہے۔

NOT FOR SALE

تحقیق کی کمی:

اگرچہ مسلمان ممالک اب آزاد ہو چکے ہیں لیکن سیاسی غلامی کے ختم ہو جانے کے باوجود ذہنی غلامی اب بھی موجود ہے۔ ایک آزاد مسلم سماج کے لیے ضروری تھا کہ وہ سارے علوم بشمول سائنس کو اپنے نظریہ زندگی، طرز فکر اور روایات واقدار کے مطابق نئے سرے سے مرتب کرنا، اپنی زبان اور اصطلاحات استعمال کرنا، دوسری تہذیبوں سے سیکھنے میں نقالی کی بجائے تنقید سے کام لیتے ہوئے استفادہ کرنا اور تحقیق وتفتیش کے نئے مناہج کی بنیاد رکھنا، جو اس کے نظریۂ کائنات کے مطابق ہوتے۔ اگر یہ سارے کام کر لیے جاتے تو سائنسی ورثہ اسلامی علمی روایت کا جز بن جاتا اور سائنس میں ریسرچ مسلمان سماج کے تحقیقی کام کا حصہ بن جاتی۔ اب سائنس ایک اجنبی نظریہ کے جز کی حیثیت سے مسلمانوں کے سامنے آتی ہے۔ چنانچہ وہ ان کی نفسیات کا جز نہیں بنتی اس لیے وہ اسے سیکھ سکتے ہیں نہ اس کو ترقی دے سکتے ہیں۔

معیار کتاب وسنت ہو:

سائنس میں ترقی کے لیے آزاد ذہن اور تخلیقیت بہرحال ناگزیر ہے۔ مسلمانوں میں آزادی فکر، تخلیقیت اور فعالیت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب وہ کتاب وسنت کو معیار حق تسلیم کریں اور باقی تمام انسانی افکار، اقوال اور آراء کو اس معیار پر پرکھنے کے عملاً قائل ہوں۔

جہاد اور اجتہاد کا فقدان:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاَعِدُّو لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ (سورة الانفال . ٦٠)

ترجمہ: مسلمانو! جہاں تک تمہارے بس میں ہے قوت پیدا کر کے اور گھوڑے تیار رکھ کر دشمنوں کے مقابلے کے لیے تیار اپنا ساز و سامان مہیا کیے رہو کہ اس طرح مستعد رہ کہ تم اللہ کے اور اپنے دشمنوں پر اپنی دھاک بٹھائے رکھو گے۔

لیکن بدقسمتی سے خلفائے راشدین کے بعد دنیا کی رہنمائی کے منصب پر وہ لوگ حاوی ہو گئے جنہوں نے اس کے لیے کوئی حقیقی تیاری نہیں کی تھی۔ خلفائے راشدین کی طرح اور خود اپنے زمانے کے بہت سے مسلمانوں کی طرح انہوں نے اعلیٰ دینی اور اخلاقی تربیت نہیں پائی تھی۔ ان کا دینی، روحانی اور اخلاقی معیار اتنا بلند نہ تھا جو ملت اسلامیہ کے رہنماؤں کے شایان شان ہو۔ ان میں نہ روح جہاد تھی اور نہ قوت اجتہاد جو دنیا کی قیادت کے لیے ضروری ہے۔

NOT FOR SALE

مشہور مسلمان سائنسدان

۱۔ جابر بن حیان:

جابر بن حیان کا تعلق جنوبی عرب کے قبیلہ ازد سے تھا، اس قبیلہ کے لوگ کوفہ میں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ جابر بن حیان 721 عیسوی کو پیدا ہوئے۔ جابر بن حیان کا باپ کوفہ کا مشہور دوا ساز تھا۔ جابر کے بچپن میں ہی اس کا انتقال ہو گیا۔

جابر بن حیان نے اپنی ابتدائی تعلیم کوفہ سے حاصل کی۔ اس نے دینی علوم کے ساتھ ساتھ ریاضی اور دوسرے علوم کا مطالعہ بھی کیا۔ کوفہ میں ہی اس نے ایک تجربہ گاہ قائم کی، جس میں وہ دن رات سائنسی علوم کی تحقیق میں مگن رہتا۔ ان کی وفات 815 عیسوی میں ہوئی۔

جابر بن حیان نے بہت سی کتابیں لکھیں جن کی تعداد سو سے زیادہ ہے ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

★ کتاب الرحم ★ کتاب الزئبق المشرقی

★ کتاب الملک ★ کتاب الموازین الصغیر

جابر بن حیان کے نزدیک تجربات کو نہایت اہمیت حاصل تھی اسی لیے اسے "تجرباتی کیمیاء" کا بانی بھی کہا جاتا ہے۔ جابر بن حیان نے بہت سی کیمیائی چیزیں ایجاد کیں۔ جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

★ قلمی شورے کا تیزاب ★ گندھک کا تیزاب

★ سلور نائٹریٹ ★ مینگنیز ڈائی آکسائیڈ

★ وارنش (لوہے کو زنگ سے بچانے کے لیے) ★ قرع وانبیق (آلاتِ کیمیاء)

★ آبِ سلطانی (پانی جو سونے کو حل کر سکتا ہے)

جابر بن حیان نے اپنی کتابوں میں فولاد بنانے، موم جامہ بنانے، کپڑا رنگنے اور بالوں کو سیاہ کرنے کے لیے خضاب تیار کرنے کے طریقے بھی بیان کیے ہیں۔

۲۔ ابن الہیثم

ابن الہیثم کا پورا نام ابو علی حسن بن حسین ابن الہیثم تھا۔ وہ 965 عیسوی میں بصرہ میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے دینی تعلیم کے علاوہ ریاضی، طب، طبیعیات اور دیگر علوم میں مہارت تامہ حاصل کی۔ ملازمت ترک کرنے کے بعد ابن الہیثم کا سارا وقت سائنسی

تحقیق و تجربات اور تصنیف و تالیف میں گزرنے لگا۔ ان کی وفات 1040 عیسوی میں ہوئی۔ ابن الہیثم نے تقریباً دو سو کتب لکھیں جن میں سے زیادہ تر ریاضی، طبیعیات اور طب کے موضوع پر ہیں۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

ریاضی: کتاب الجامع فی اصول الحساب، کتاب فی حساب المعاملات، علم المناظرہ اور مقالہ فی حساب الہندی وغیرہ۔

طبیعیات: مقالہ فی طبیعی الالم وللذۃ، مقالہ فی ہیئۃ العالم، مقالہ فی المبادی والموجودات اور تلخیص المسائل وغیرہ۔

طب: کتاب فی البرہان، کتاب فی فرق الطب، کتاب فی منافع الاعضاء اور کتاب فی اصناف حُمیات وغیرہ۔

ابن الہیثم نے آنکھ اور روشنی کو موضوع تحقیق بنایا اور تحقیق سے پرانے نظریات کو باطل قرار دیا

★ اس نے ثابت کیا کہ "جب روشنی مختلف سطحوں سے پلٹ کر فضا میں پھیلتی ہے تو ان میں سے کچھ شعاعیں دیکھنے والے کی آنکھ میں داخل ہو جاتی ہیں جس کے سبب وہ شے آنکھ کو نظر آنے لگتی ہے"۔

★ ابن الہیثم نے آنکھ کی اندرونی ساخت بھی بیان کی اور اس کے مختلف حصوں کے بارے میں بتایا۔

★ ابن الہیثم نے سب سے پہلے روشنی کو توانائی قرار دیا اور ثابت کیا کہ روشنی ہمیشہ سیدھی لکیر کی صورت میں سفر کرتی ہے جسے دوسرے الفاظ میں خطِ مستقیم کہا جاتا ہے۔

★ ابن الہیثم نے دنیا کا پہلا سوئی چھید کیمرہ جسے انگریزی میں "پن ہول کیمرہ" کہا جاتا ہے، ایجاد کیا، اس کیمرہ کو اس نے "نقبالہ" کا نام دیا۔

★ ابن الہیثم نے اس بات کے بارے میں بھی بتایا کہ چاند اور سورج افق کے قریب بڑے کیوں نظر آتے ہیں۔

۳۔ البیرونی

البیرونی کا پورا نام ابوریحان محمد بن احمد البیرونی ہے۔ وہ 973 عیسوی میں خوارزم کے ایک قریبی گاؤں "بیرون" میں پیدا ہوئے اسی لیے انہیں "البیرونی" کہا جاتا ہے۔ انہوں نے علم دین حاصل کرنے کے علاوہ طب، ہیئت، نجوم اور ادبیات کے علوم میں دسترس حاصل کی۔ جب محمود غزنوی نے خوارزم فتح کیا تو البیرونی کو اپنے ساتھ ہندوستان لے آیا۔ یہاں اس نے ہندی زبان سیکھی اور ہندوؤں کے علم فلکیات کا جائزہ لیا۔ البیرونی نے پنجاب کے مختلف شہروں کے عرض بلد کی پیمائش کی۔ یہیں اس نے اپنی مشہور کتاب "کتاب الہند" تحریر کی۔ محمود غزنوی کے انتقال کے بعد البیرونی اس کے بیٹے مسعود کے دربار سے بھی منسلک رہا۔ محمود غزنوی کے بیٹوں اور پوتوں کے درمیان تخت نشینی کی جنگ چھڑنے کے بعد اس نے دربار چھوڑ دیا اور گوشہ عزلت میں بیٹھ کر تصنیف و تالیف میں مصروف

مسلمانوں میں تاریخ نگاری کا شوق عہد بنوامیہ میں پیدا ہوا۔ اس سلسلے میں پہلا نام امام زہریؒ (المتوفی ۷۲۲ء) کا آتا ہے۔ جنہوں نے عمر بن عبدالعزیز (۷۲۰ء) کے حکم کے مطابق کتاب المغازی کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی ان کے علاوہ ابتدائی سیرت نگاروں میں عروہ بن زبیرؒ اور ابان بن عثمان اور دوسرے چند لوگوں کے نام بھی شامل ہیں۔ مشہور تابعی موسیٰ بن عقبہ المدنیؒ کی تصنیف کو بہت شہرت حاصل ہوئی۔ ان کے علاوہ محمد بن اسحاق کی کتاب المغازی اور ابن ھشام کی کتاب المغازی جو سیرت ابن ھشام کے نام سے مشہور ہے کو بے حد شہرت ملی۔ ابن سعد کی بارہ جلدوں پر مشتمل ''طبقات'' اس لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اس میں سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ صحابہؓ اور تابعینؒ کے احوال بھی بیان کیے گئے ہیں۔ بعد کے ادوار میں سیرت پر جو کتابیں تحریر کی گئیں وہ زیادہ تر انہی کتابوں سے مستفاد ہیں۔ تاریخ نگاری کا آغاز عہد بنی امیہ میں ہوا۔ سب سے پہلے عبید بن شبرمہ الجرھمی نے معاویہؓ کے لیے ''کتاب الملوک واخبار الماضیین'' کے نام سے مشہور کتاب لکھی۔ یہ تاریخ کی پہلی کتاب ہے۔ فتوحات کے موضوع پر قلم اٹھانے والوں میں ابن عبدالحکم مصری، بلاذری، حافظ مغلطائی اور حاجی خلیفہ وغیرہ شامل ہیں۔ ان کتابوں میں بعض اتنی ضخیم ہیں کہ ایک ایک کا جائزہ لینے کے لیے عمر نوحؑ درکار ہے۔ ایک تصنیف ''تاریخ دمشق'' اسی جلدوں میں ہے۔

علامہ ابن خلدون نے کتاب'' العبر و دیوان المبتدا والخبر فی ایام العرب والعجم والبربر ومن عاصرھم من ذوی السطان الاکبر '' کے عنوان سے لکھی۔ یاقوت حموی، ابن عساکر اور ابن خلکان نے سینکڑوں کتابیں لکھیں۔ ابن جوزی نے ایک طرف ''کتاب الاذکیاء'' لکھ کر ذہین انسانوں کی تاریخ مرتب کی اور دوسری طرف ''اخبار المغفلین'' تحریر کر کے بے وقوفوں کی تاریخ مدون کر کے رکھ دی۔ صلاح الدین صفدی نے معذوروں کی تاریخیں تحریر کی ہیں۔ امام ذہبی نے تاریخ کی چالیس اقسام گنا کر بلاشبہ مسلمانوں کا تصور تاریخ واضح کیا ہے۔

جغرافیہ :

اسلام میں علم جغرافیہ کے فروغ میں عبادات اور معاملات دونوں نے اہم کردار ادا کیا۔ فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے راستوں سے واقفیت، نماز کے قیام اور مسجد کی تعمیر کے وقت قبلے کا تعین، امور سلطنت کی انجام دہی اور تجارتی مقاصد کے لیے مختلف بلاد وامصار کے جغرافیائی محل وقوع سے آگاہی وہ محرکات تھے جنہوں نے مسلمانوں کو جغرافیہ کا علم حاصل کرنے پر آمادہ کیا۔ چنانچہ عباسی دور میں جب ایرانی، ہندی اور یونانی کتابوں کے ترجمے ہونے لگے ثابت بن قرہ نے یونانی جغرافیہ دان بطلیموس کی کتاب (Geographical Treatise) کو عربی جامہ پہنایا۔ افلاطون کی کتابوں کے علاوہ مسلمانوں نے ہندی اور ایرانی جغرافیائی تصورات کا علم بھی حاصل کرلیا، جس سے وہ اس قابل ہوگئے کہ اس موضوع پر تحقیق وتصنیف کا آغاز کرسکیں۔ خلیفہ مامون الرشید کے

NOT FOR SALE

عہد خلافت میں مشہور مسلم ریاضی دان محمد بن موسی خوارزمی نے جغرافیہ کے موضوع پر ''صورۃ الارض'' کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ ابن خرداذبہ کو مسلم جغرافیہ کا باوا آدم مانا جاتا ہے۔ انہوں نے ''المسالک والممالک'' کے عنوان سے کتاب لکھی۔ تیسری صدی کے آخر میں احمد بن اسحاق اور چوتھی صدی ہجری کے ربع اول میں قدامہ بن جعفر الکاتب نے ''کتاب الخراج وصنعۃ الکتاب'' تحریر کی جس میں راستوں، ڈاک کی منزلوں اور سرحدوں کی تفصیل دی تھی۔

اسی زمانے میں ابوالحسن علی بن حسین المسعودی نے اپنا سفرنامہ تیار کیا۔ ابوزید احمد بن سھل بلخی ''دبستان بلخ'' میں شامل ہیں یہ کندی کے شاگرد تھے۔ اصطخری کی درخواست پر ابوالقاسم محمد ابن ہرقل نے نقشوں پر نظر ثانی کی۔ یمنی نژاد عالم ابوالحسن ابن احمد الحمدانی نے جغرافیہ کے موضوع پر دو کتابیں تحریر کیں۔ محمد بن ابی بکر المقدسی نے اسلامی ممالک کے نشیب وفراز دیکھے اور انہیں کتاب میں قلمبند کیا۔ ابوریحان محمد ابن احمد البیرونی نے اپنی شاہکار کتاب تاریخ الہند لکھی۔ سپین کے جغرافیہ دان ابوعبیداللہ بن عبدالعزیز نے جغرافیائی لغت تیار کی۔ ابوعبداللہ محمد بن محمد ادریسی سپین کے شہر ستیہ میں پیدا ہوئے۔ ادریسی جغرافیہ کے علاوہ دوسرے علوم میں بھی دستگاہ رکھتے تھے۔ مگر جغرافیہ اور نقشہ کشی کے فن میں وہ قرون وسطیٰ کے سب سے بڑے ماہر تھے۔ ادریسی شاہی خاندان کی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے ''نزھۃ المشتاق فی اختراق الآفاق'' تصنیف کی اور زمین کی گولائی جیسے بنیادی حقائق کی قبولیت کا مظاہرہ کیا۔ ابوالفداء، زکریا بن محمد القزوینی، ابوعبداللہ محمد الدمشقی ابن الوردی بھی جغرافیہ دانوں کی صف میں کھڑے نظر آتے ہیں۔

مسلمانوں کے علم جغرافیہ میں سفرناموں کی بدولت بھی قابل قدر اضافہ ہوا ہے۔ ان میں ابن جبیر، ابن بطوطہ، ناصر خسرو، المازنی، ابن مجاور، النباتی، العبداری الطیبی اور التیجانی شامل ہیں۔ علم جغرافیہ میں مسلمان تاجروں کا بھی بہت بڑا کردار رہا ہے۔ ان میں سلیمان التاجر، ابوزید الحسن السیرافی اور احمد ابن فضلان ابن حماد شامل ہیں۔ جغرافیائی ذخیرہ علم میں جغرافیہ دانوں، تاجروں اور سیاحوں کی طرح مسلم جہازرانوں نے بھی اپنی گوں ناگوں معلومات سے قابل ذکر اضافہ کیا ہے۔ بحری کپتان بزرگ بن شہریار، ابن فاطمہ اور ایک اہم شخصیت شہاب الدین احمد ابن احمد کی ہے جنہیں اسد البحر بھی کہا جاتا ہے۔ فرانس کے مشہور مورخ موسیو سیدیو لکھتے ہیں۔

''اب ہمیں یہ بیان کرنا ہے کہ عربوں نے کاغذ، قطب نما، بارود اور توپوں کو ایجاد کیا اور ان کی ایجاد سے تمام دنیا کی ادبی، سیاسی اور فوجی حالت میں کیسا انقلاب عظیم رونما ہوا اور بعض یورپین اہل قلم جنہوں نے عربوں سے ان چیزوں کے ایجاد کا شرف زبردستی چھین لیا ہے ان کے بیان پر کوئی اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔ اصل یہ ہے کہ ان اشیاء کے موجد عرب ہیں اور عربوں ہی نے اہل یورپ کو ان کا استعمال سکھایا ہے۔''

NOT FOR SALE

آپ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے خاص سیکرٹری تھے، صلح حدیبیہ سمیت کئی اہم دستاویز حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے لکھی گئیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کا ایک بڑا اعزاز یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور کے اہم اقدامات:

- ★ آپ رضی اللہ عنہ نے فوجی چھاؤنیوں کی تعداد میں اضافہ کیا۔
- ★ عمال کے اخلاق کی خودنگرانی کرتے اور ان کی بے اعتدالیوں پر سختی سے بازپرس کرتے تھے۔
- ★ محکمہ مال میں آپ رضی اللہ عنہ نے خاص اصطلاحات جاری کیں اور جنگلات سے مالی فائدہ اٹھانے کی بنیاد رکھی۔
- ★ عدل وانصاف کے ضمن میں فاروقی نمونہ پیشِ نظر رکھا، آپ رضی اللہ عنہ خود کئی بار اپنے ماتحت قاضی کی عدالت میں پیش ہوئے اور بسا اوقات فیصلہ آپ رضی اللہ عنہ کے خلاف بھی ہو جاتا تھا جسے آپ رضی اللہ عنہ خندہ پیشانی سے قبول کرتے۔
- ★ آپ رضی اللہ عنہ ذمیوں کے حقوق کا خاص خیال رکھتے۔
- ★ محکمہ پولیس کی بنیاد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رکھی تھی، آپ رضی اللہ عنہ نے اسے منظم کیا اور باقاعدہ پولیس کے دستے تشکیل دیے۔ پولیس کا فرض تھا کہ وہ جرائم کی روک تھام کرے، منڈیوں پر نظر رکھے اور امن وامان قائم رکھے۔

نبوی معاشرے کا تسلسل

قرآن مجید اور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اسلامی طریقِ حکمرانی کے اصول بتائے ہیں اور ان کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے خلافت کا نظام قائم کیا جسے امت نے خلافتِ راشدہ کا نام دیا، جس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی نگاہ میں خلافت کا صحیح طرز یہی ہے۔ خلافتِ راشدہ سے مراد ہے راست رو خلافت۔

شورائی نظام:

خلفاء کا انتخاب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مشورے سے ہوتا تھا، ہر خلیفہ کے انتخاب کے موقع پر بڑے بڑے مہاجرین اور انصار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، اہلِ رائے حضرات اور سیاسی تدبیر رکھنے والے لوگوں سے مشورہ کیا جاتا تھا اور جس شخصیت پر اکثریت کا اتفاق ہوتا، اس کے ہاتھ پر بیعت کی جاتی اور خلافت کے پورے دور میں تمام معاملات باہمی مشورے سے طے کیے جاتے تھے۔

NOT FOR SALE

بنیادی حقوق کا تحفظ:

اسلام نے اپنی ریاست کے تمام شہریوں کو بنیادی حقوق دیے ہیں اور خلافتِ راشدہ کے دور میں شہریوں کے بنیادی حقوق کا تحفظ کیا جاتا رہا ہے، کسی شخص کی آزادی سلب نہیں کی گئی، کسی کی حق تلفی نہیں ہوئی، حتیٰ کہ وہ لوگ جو حکومت کے خلاف باغیانہ خیالات رکھتے تھے لیکن عملاً بغاوت میں شریک نہ ہوئے ان کو کوئی سزا نہیں دی گئی، بلکہ وہ لوگ جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کا محاصرہ کر لیا تھا، ان کی سرکوبی کی بھی اجازت نہیں دی گئی۔

بیت المال کے امانت ہونے کا تصوّر:

خلفاء راشدین بیت المال کو مسلمانوں کی امانت سمجھتے تھے اور اس میں سے اپنی مرضی سے ایک پیسے کا تصرف بھی جائز نہیں سمجھتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک موقع پر فرمایا کہ میرے لیے بیت المال سے اس کے سوا کچھ حلال نہیں کہ ایک جوڑا کپڑا گرمی کے لیے اور ایک جاڑے کے لیے اور اپنے اور اپنے بال بچوں کے لیے کھانے پینے کا اسی قدر سامان کہ جتنا قریش کے ایک عام آدمی کی ضرورت ہے۔

قانون کی بالادستی:

خلفاء اپنے آپ کو قانون سے بالاتر نہیں سمجھتے تھے بلکہ قانون کی نگاہ میں اپنے آپ کو ایک عام شہری کے مساوی سمجھتے تھے، حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے کئی ایسے واقعات ہیں کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے ماتحت قاضیوں کی عدالتوں میں ایک عام فرد کی طرح پیش ہوئے۔

اظہارِ رائے کی آزادی:

خلافتِ راشدہ کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ اس میں اظہارِ رائے پر کبھی بھی پابندی عائد نہیں کی گئی۔ ہر شخص اپنے ایمان اور ضمیر کے مطابق اپنی رائے کا اظہار کر سکتا تھا، خلیفہ پانچوں وقت نمازوں میں لوگوں کے سامنے حاضر ہوتا اور ہر شخص ہر وقت خلیفہ کا احتساب کر سکتا تھا۔

NOT FOR SALE

معاشرتی استحکام:

اولی الامر:

اسلامی ریاست میں اولی الامر یعنی حکام کا ایک ادارہ کام کرتا ہے۔ یہ ادارہ حقیقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی وفات کے بعد وجود میں آیا جس کا سربراہ ابتدائی دور میں خلیفۂ وقت ہوا کرتا تھا۔ اس ادارے کو یہ ذمہ داری ملی کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے احکامات پر خود بھی عمل کرے اور اسلامی ریاست کے شہریوں سے بھی عمل کروائے۔ چونکہ اولی الامر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے احکام کو اسلامی ریاست میں نافذ کرتے ہیں اس لیے ان کی پیروی بھی لازمی قرار دی گئی ہے تاکہ اسلامی ریاست کا نظم ونسق چل سکے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو، اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے اولی الامر کی اطاعت کرو۔" (سورۃ النساء:۵۹)

اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ اربابِ حل وعقد کے احکام کی بھی پیروی کی جائے لیکن اولی الامر اگر کسی ایسے کام کا حکم دیں جس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی نافرمانی ہوتی ہو تو اولی الامر یعنی حکمرانوں کی اطاعت جائز نہیں۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ارشاد ہے:

ترجمہ: "گناہ کے کاموں میں کسی کی اطاعت نہ کی جائے۔ اطاعت اچھے کاموں میں ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے لیے کسی بندے کی اطاعت نہیں کی جاتی۔" (صحیح بخاری 7145۔ مسلم 4870)

شورائی نظام:

اسلامی ریاست میں روزمرّہ کے امور چلانے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی عملی تعبیر تلاش کرنے کے کام میں مسلمانوں کو شریک کیا جاتا ہے۔ اس کام کے لیے مسلمانوں نے شورائی نظام کا ایک ادارہ قائم کیا ہوا ہے۔ جب کسی معاملے میں مشورہ کیا جاتا ہے اور بہت سی آراء سامنے آتی ہیں نیز ماہرین اور تجربہ کار اصحاب اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں تو زیرِ نظر مسائل کا ایسا حل سامنے آجاتا ہے جو آسان، قابلِ عمل، انسانی ضرورتوں کے مطابق اور ملی تقاضوں کو پورا کرتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو مشورہ کرنے کا حکم دیا ہے۔

ترجمہ: "باہمی امور میں ان سے مشورہ لیتے رہا کیجئے۔ پھر جب رائے پختہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیجئے۔" (آل عمران:159)

مشورے کا فائدہ یہ ہوگا کہ حکمران یک طرفہ فیصلے نہیں کر پائیں گے بلکہ کسی بھی مسئلے کے سب پہلو سامنے آئیں گے اور ان کی روشنی میں فیصلہ ہوگا جس سے آمریت کے مواقع کم ہو جائیں گے۔

شہریوں کے فرائض:

ہر ریاست کے شہریوں کے لیے ایسے کام کرنا لازمی قرار دیا جاتا ہے جس سے ریاست کا تحفظ ہو اور نظامِ حکومت بھی چلتا رہے، اس کے ادارے اپنے فرائض امن وسکون سے ادا کریں۔ اسی طرح اسلامی ریاست میں بھی مسلمان شہریوں پر کچھ فرائض عائد کیے گئے ہیں۔ یہ فرائض ایسے نہیں جو مسلمان شہری ادا نہ کر سکیں یا ان کی ادائیگی میں انہیں غیر ضروری محنت ومشقت اور دقتوں کا سامنا ہو۔ اسلامی ریاست کے شہریوں کا یہ فرض ہے کہ وہ حکومت کے قوانین کا احترام کریں، ریاست کے وفادار اور خیر خواہ ہوں، بھلائی پھیلانے اور برائی کو روکنے میں حکومت سے تعاون کریں اور جہاں مالی یا جانی قربانی کی ضرورت پیش آئے، قربانی سے دریغ نہ کریں۔

شہریوں کے حقوق:

اسلامی ریاست میں شہریوں کو وسیع حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ ریاست ان حقوق کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی طرف سے ضمانت مہیا کرتی ہے۔ اس لیے اگر ریاست کسی شرعی عذر کے بغیر ان حقوق کی نگہداشت میں ناکام رہتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی جواب دہ ہے۔ اس لیے یہ ریاست کا فرض ہوگا کہ وہ کسی امتیاز اور رعایت کے بغیر ہر شہری کے حقوق کا تحفظ کرے۔ اسلام نے حقوق کے تحفظ کا وسیع نظام دیا ہے۔ حقوق کی تمام شکلوں کے لیے اسلام نے احکام دیے ہیں فرد کے اپنے ذاتی احساس سے لے کر ایسے حقوق جن کا تحفظ ریاست کرتی ہے وہ سب کے سب اسلام کی تعلیمات میں موجود ہیں اور اسلامی ریاست ان کے تحفظ کی ذمہ دار ہے۔ اسلامی ریاست کا فرض ہے کہ وہ تمام شہریوں کی جان ومال، عزت وآبرو اور شخصی آزادی کا تحفظ کرے اور کسی بھی معاملے میں کسی طبقے سے امتیازی سلوک روا نہ رکھے۔

مفتوحہ علاقوں کے جغرافیائی اور تمدّنی تقاضوں کی رعایت:

بعض افراد کا یہ خیال ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے اور مسلمانوں کو جب قوت حاصل ہو گئی تو انہوں نے غیر مسلموں کو مجبور کیا کہ وہ اسلام قبول کریں۔ حالانکہ تاریخ میں ایسا کوئی واقعہ نہیں کہ اسلام قبول کرنے کے لیے کسی پر سختی کی گئی ہو کیونکہ "لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ" (البقرہ:۲۵۶) (دین میں کوئی زبردستی نہیں) کا حکم موجود ہے اور اسی لیے کوئی بھی مسلمان کسی کو اسلام قبول کرنے کے لیے مجبور نہیں کر سکتا۔

دوسرے یہ کہ اسلام کا طریق کار رہا ہے کہ وہ اپنی دعوت پیش کرتا ہے۔ جو دعوت قبول نہ کرے مگر جزیہ دے کر اسلامی ریاست کی برتری قبول کر لے وہ اسلامی ریاست کا شہری ہے اور اس کا تحفظ اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ اس لیے کسی غیر مسلم کو اسلامی ملک میں دھمکی دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ اسلام زبردستی قبول کرے۔ پوری تاریخ میں اس کی کوئی مثال پیش نہیں کی جا

سکتی۔ تیسرے یہ کہ ایمان دل کا معاملہ ہے اور زبردستی جسم پر ہو سکتی ہے دل پر نہیں۔ اس طرح زبردستی سے نفاق تو پیدا کیا جا سکتا ہے لیکن اسلام و ایمان نہیں۔ اسلام منافقین کی تعداد بڑھانا نہیں چاہتا۔

اگر یہ مان لیا جائے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا تو اسلام کو تلوار کے زور سے پھیلانے والوں پر کس نے تلوار چلائی کہ وہ سب مسلمان ہو گئے۔ یہ اسلام کے سنہری اصولِ انسانی مساوات اور عدلِ اجتماعی کا نظام ہی تھا جس نے انسانوں کے دلوں پر اثر کیا اور وہ جوق در جوق اسلام کے دائرے میں داخل ہو گئے اور پھر اسلام کے سچے خادم بن کر بلند درجات پر فائز ہوئے۔

قرآن وحدیث کا فروغ:

اسلام ایک ایسا دین ہے جس کا آغاز نسلِ انسانی کی ابتداء کے ساتھ ہی ہو گیا تھا اور انسانوں کی تعداد میں اضافے کے ساتھ ساتھ اس کی تعلیمات میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور چونکہ نبوت کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد بھی انسان کی نئی نسلوں کو مقدس ہدایات اور احکامِ الٰہی کی اشد ضرورت رہتی ہے۔ لہٰذا ان احکام کا آئندہ نسلوں کو منتقل کرنا ایک ناگزیر عمل ہے۔ اس لیے اسلام نے نہ صرف تعلیم کو باقی رکھا بلکہ اس کی ترویج واشاعت کی حوصلہ افزائی بھی کی ہے۔ چنانچہ دینِ اسلام کی آخری کتاب کے نزول کا آغاز لفظ ''اقرأ'' پڑھ سے ہی ہوتا ہے۔ اس سورت میں تعلیم کی اہمیت وافادیت کو عمدہ طریقے سے بیان کیا گیا ہے۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَۚ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍۚ۝ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُۙ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِۙ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْؕ۝

(سورة العلق: ۱ تا ۵)

ترجمہ: ''اپنے پروردگار کے نام سے پڑھ جس نے (تمام مخلوقات کو) پیدا کیا جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا اپنے بزرگ پروردگار کے نام سے پڑھ، جس نے انسان کو قلم کے ذریعے سکھایا۔ انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا''۔

ان آیات میں دو بار پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پڑھنے کے ساتھ ساتھ سمجھنے کی اور لکھنے کی تلقین بھی ہے۔ نیز یہ حقیقت بھی ذہن نشین کرائی گئی ہے کہ علم و دانش کا حقیقی سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور انسان کو جو کچھ بھی علم حاصل ہے وہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے۔ ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو زیادہ مؤثر انداز میں بیان کیا ہے اور اپنا تعارف اس حیثیت سے کروایا ہے کہ اس نے انسان کو علم کی دولت سے بہرہ ور کیا ہے۔ ارشاد ہے:

اَلرَّحْمٰنُۙ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَؕ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَۙ۝ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ۝ (الرحمٰن: ۱ تا ۴)

ترجمہ ''رحمٰن وہ ہے جس نے قرآن سکھایا۔ انسان کو پیدا کر کے اسے بولنا سکھایا۔''

اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم کی دولت ہی عطا نہیں کی بلکہ اسے قوتِ گویائی بھی بخشی ہے جس کو استعمال کر کے انسان اپنا علم و ہنر دوسری نسلوں تک منتقل کر سکتا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ علم پھیلانے کے دو بڑے ذرائع زبان اور تعلیم یعنی تحریر اور تقریر اللہ تعالیٰ نے خود انسان کو عطا فرمائے ہیں۔ جس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس قابل بنایا کہ وہ اس کی دی ہوئی تعلیم کو آئندہ نسلوں تک پہنچا سکے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم بھی معلم کے بلند ترین منصب پر فائز ہوئے۔ وہ اپنی ساری زندگی اللہ تعالیٰ کا پیغام انسانیت کو پہنچاتے رہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے دنیا میں اپنی آمد کا مقصد ان الفاظ میں بیان کیا کہ ''میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں''۔ (سنن ابن ماجہ، سنن الدارمی)

تعلیم دینا ایک مقدس فریضہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا منصب ہے۔ جو انسان اس فریضہ کو اپناتا ہے وہ یقینی طور پر نبوت کے پیغام کو آئندہ نسلوں تک پہنچاتا ہے۔ انسانیت کی خدمت کرتا ہے اور علم و دانش کی شمع کو روشن کرتا ہے ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بلند مقام پاتا ہے اور اس کے درجے اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند ہوتے ہیں۔ قرآن مجید نے واضح کیا ہے کہ جاہل اور عالم برابر نہیں ہو سکتے۔ ارشادِ ربانی ہے:

قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَؕ اِنَّمَا یَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ۝ (سورة الزمر: ۹)

ترجمہ ''(اے پیغمبرؐ) آپ کہہ دیجیئے کہ کیا علم والے اور بے علم لوگ کہیں ایک سے ہو سکتے ہیں؟ بے شک اہلِ عقل و دانش ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔''

اسلام میں تعلیم کی اہمیت وافادیت اور مقام کے پیشِ نظر مسلمانوں نے اس میدان میں بے پناہ خدمات سرانجام دی ہیں۔ پہلا باقاعدہ تعلیمی ادارہ عہدِ رسالت میں ہی قائم ہو گیا تھا۔ یہ مدرسہ چونکہ مسجدِ نبوی میں قائم ہوا تھا اس لیے اسلام کے ابتدائی دور میں درس گاہیں مسجد کا حصہ ہوا کرتی تھیں۔ مسلمان ماہرینِ تعلیم نے نہ صرف تعلیم و تدریس کا باقاعدہ کام جاری رکھا بلکہ انہوں نے مقصدِ تعلیم، اصولِ تعلیم، طریقہ تدریس اور نصابِ تعلیم پر بھی بھرپور توجہ دی اور ان تمام علوم میں مسلمان ماہرینِ تعلیم نے قرآن وسنت سے اصول اخذ کیے، ان اصولوں کی روشنی میں اسلامی نظامِ تعلیم و تربیت کی تفاصیل مرتب ہوئیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ کوئی بھی کام کسی نہ کسی مقصد کو پورا کرنے کے لیے سرانجام دیا جاتا ہے کیونکہ جب تک مقصد متعین نہ ہو اس کے حصول میں دقت ہوتی ہے۔ مقصد متعین کیے بغیر کام کرنے والے کی حالت اس مسافر کی سی ہوتی ہے جسے اپنی منزل معلوم نہ ہو لیکن وہ دن رات سفر کرتا رہے۔ اس لیے تعلیم جیسے اہم کام کا بھی کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہونا چاہیئے تاکہ اس نظام میں کام کرنے والوں کو اپنی منزل معلوم ہو۔

تعلیم کا مقصد متعین کرنے کی لاتعداد کوششیں ہوئیں اور ہر ایک مفکر نے اپنے گرد و پیش اور اپنی ضرورت اور سمجھ کے مطابق تعلیم کا مقصد یا نصب العین پیش کیا۔ تعلیم کا مقصد متعین کرتے وقت ایسے اصحاب کو زیادہ مشکلات پیش آئیں جن کی زندگیاں مذہبی نصب العین سے خالی تھیں۔ بہرحال تعلیم کے بہت سے مقاصد بیان ہوئے ہیں۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

- ★ تعلیم کا مقصد سیرت کی تعمیر کرنا ہے۔
- ★ انسان کو ایک مکمل زندگی بسر کرنے کے لیے تیار کرنا۔
- ★ تندرست جسم میں تندرست روح پیدا کرنا۔
- ★ انسان کی فطری صلاحیتوں کو ظہور میں لانا۔
- ★ انسان کی انفرادیت کی آزادانہ نشوونما کرنا۔
- ★ اقتدار حاصل کرنا اور حکومت قائم کرنا۔
- ★ انسان کو اس قابل کرنا کہ وہ روزی کما سکے۔
- ★ ماحول کو سمجھنا اور اس میں انسان کا فٹ ہونا۔
- ★ کائنات کی حقیقتوں کو جاننا اور انہیں اپنا تابع بنانا۔

ہم نے یہاں چند ایک مقاصدِ تعلیم کی نشاندہی کی ہے۔ کیونکہ اس وقت تعلیم کے بیان کردہ تمام مقاصد کو بیان کرنا مشکل کام ہے۔

اسلام میں زندگی موت کے ساتھ ختم نہیں ہو جاتی بلکہ انسان نے جو اچھے برے اعمال اس دنیا میں کیے ہیں، مرنے کے بعد وہ ان کا جواب دہ ہوگا۔ اسی طرح انسان صرف جسم کا نام نہیں کہ اس کی مادی ضرورتوں کے علاوہ اس کی کوئی اور ضرورت نہ ہوں بلکہ انسان جسم اور روح دونوں کے مجموعے کا نام ہے۔ اس لیے زندگی کا نصب العین اور مقصد ایسا ہونا چاہیئے جو انسان کی مادی اور روحانی ضرورتوں کو پورا کرے۔

ان افکار کی روشنی میں اسلامی تعلیم کا مقصد اللہ تعالیٰ کی پہچان، اللہ تعالیٰ اور اس کے بندے کے مابین مضبوط تعلقات کا استوار ہونا اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنا ہے۔ اسی مقصد سے انسان کی سیرت کی تعمیر ہوتی ہے۔ اس کی بہترین صلاحیتوں کو جلا ملتی ہے۔ اس کی انفرادیت پروان چڑھتی ہے۔ اس لیے تعلیم یافتہ انسان وہ ہے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد ہو، اللہ تعالیٰ سے اس کا گہرا رشتہ قائم ہو اور اس کی زندگی اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے احکام کے مطابق گزرے اور قیامت کے دن جہنم کی آگ سے بچنے کی صورت میں اسے کامیابی نصیب ہو۔ یہی انسان کی فطرت اور یہی مقصدِ حیات ہے اور اسی میں انسان کو امن و سکون حاصل ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب استاد اور طالب علم کے دل و دماغ پر کسی اعلیٰ ہستی یعنی اللہ تعالیٰ کا تصور غالب نہ ہو، اس وقت تک وہ تعلیم کا مقصد حاصل نہیں کر سکتے۔ اسی تصور کو مضبوط اور مستحکم کرنے سے اخوت، مساوات، عالی ظرفی، وسعتِ نظر و فکر اور رواداری جیسی بلند صفات انسان میں پروان چڑھتی ہیں۔ وہ معاشرے کا مفید رکن بن جاتا ہے۔

مشق

سوال نمبر 1۔ درج ذیل سوالات کے تفصیل سے جواب دیں۔

- الف۔ اسلامی تہذیب و تمدن کی بنیاد قرآن و حدیث ہے۔ بیان کریں۔
- ب۔ اسلامی طرزِ زندگی بنیادی انسانی حقوق کی ترجمان ہے۔ وضاحت کریں۔
- ج۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت اسلامی تاریخ کا سنہری دور تھا۔ موجودہ نظامِ حکومت سے موازنہ کریں۔
- د۔ اسلام تلوار کی بجائے اخلاقِ حسنہ سے پھیلا۔ اسلامی تاریخ کے حوالے سے وضاحت کریں۔
- ہ۔ معاشرتی استحکام کے فروغ کے لیے اسلام کی تعلیمات کیا ہیں؟ بیان کریں۔

سوال نمبر 2۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں۔

- الف۔ اسلامی تہذیب سے کیا مراد ہے؟
- ب۔ تہذیب کے لغوی معنی کیا ہیں؟
- ج۔ بھائی چارے کے بارے میں کسی حدیث کا ترجمہ تحریر کریں۔
- د۔ ''امر بالمعروف و نہی عن المنکر'' سے کیا مراد ہے؟
- ہ۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں کیے گئے اقدامات تحریر کریں۔
- و۔ بیت المال کس مسلمان خلیفہ نے شروع کیا؟
- ز۔ فوج کی باقاعدہ تربیت کس خلیفہ نے شروع کروائی؟
- ح۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ''ذوالنورین'' کیوں کہا جاتا ہے؟
- ط۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے کوئی سے تین نمایاں کام بتائیں۔
- ی۔ ''اولی الامر'' کی کیا ذمہ داری ہوتی ہے؟

سوال نمبر 3۔ مناسب الفاظ استعمال کرتے ہوئے خالی جگہ پر کریں۔

الف۔ اسلامی تہذیب کا سرچشمہ ________ ہے۔

ب۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسلامی سلطنت کو ________ حصوں میں تقسیم کیا۔

ج۔ اسلامی ریاست کا دوسرا بانی ________ کو کہتے ہیں۔

د۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے غزوۂ ________ میں شرکت نہیں کی۔

ہ۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے غلاموں اور ________ کے حقوق مقرر کر دیئے۔

و۔ اسلامی سلطنت کی سرحدیں ________ کے دورِ حکومت میں ہندوستان تک پہنچ گئی تھیں۔

ز۔ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کا دورِ حکومت ________ سال تک رہا۔

سوال نمبر 4۔ درست اور غلط بیانات کی نشاندہی کریں۔

الف۔ تہذیب کے لفظی معنی رہنے سہنے کے ہیں۔ ________

ب۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دولت کی فراوانی کو امت کے زوال کا سبب قرار دیا ہے۔ ________

ج۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پورے ملک میں مکاتب و مدارس کا جال پھیلایا۔ ________

د۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے غزوۂ تبوک میں ایک تہائی مسلمان فوج کا خرچ برداشت کیا۔ ________

ہ۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بحری بیڑا بنوایا۔ ________

و۔ صلح حدیبیہ کی شرائط حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے تحریر کیں۔ ________

ز۔ پولیس کا محکمہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے منظم کیا۔ ________

سرگرمی

معلم/معلمہ، طلباء اور طالبات کے درمیان خلفائے راشدین کے حالات زندگی اور کارناموں پر ایک کوئز مقابلہ کروائیں۔

باب ہشتم

اسلام اور عہدِ حاضر

تدریسی مقاصد

اس سبق کے پڑھنے کے بعد طلبہ/طالبات اس قابل ہو جائیں گے کہ:

وہ عصر حاضر میں دہشت گردی کے حوالے سے مسلمانوں پر لگائے جانے والے الزامات کو اپنے کردار اور رویوں سے رد کرنے کی ترغیب پا سکیں۔

ا۔ مسلم ممالک کے باہمی تعلقات

پاکستان ایک نظریاتی ملک ہے۔ اس کی اساس نظریہ اسلام ہے۔ لہٰذا پاکستان دنیائے اسلام کے ساتھ مذہبی، روحانی، ثقافتی اور تاریخی رشتوں میں منسلک ہے۔ پاکستان نے دوسرے مسلم ممالک کے ساتھ ہمیشہ سے دوستانہ تعلقات رکھے ہیں اور مسلم ممالک سے تعلقات پاکستان کی خارجہ پالیسی کا بنیادی ستون ہے۔

بڑی طاقتوں کے دباؤ کے باوجود اور اپنے تمام مشکلات اور مسائل کے ہوتے ہوئے بھی پاکستان نے ہمیشہ اسلام کی بہبود اور اتحاد کا علم اٹھائے رکھا۔ پاکستان چاہے کیسے بھی حالات سے گزر رہا ہو، اس نے عالمِ اسلام کے مفاد کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھا ہے۔ اس کے مسائل کو اپنے مسائل ہی سمجھا اور ان کے حل کے لیے مقدور بھر کوشش کی۔ پاکستان اپنی جغرافیائی اہمیت، آبادی، ذرائع اور افرادی قوت کی بنا پر عالمِ اسلام کے لیے خصوصی کشش رکھتا ہے۔ مشرقِ بعید کے مسلم ممالک یعنی بنگلہ دیش، ملائشیا، انڈونیشیا، افغانستان اور ایران سے لے کر مراکش تک پھیلے ہوئے مسلم ممالک اسی کی بدولت اتحاد کی لڑی سے منسلک ہیں اور یہ ان کے درمیان رابطے کے پل کا کام دے سکتا ہے۔ پاکستان نے تیونس، مراکش، الجزائر، انڈونیشیا اور ملائشیا کی آزادی کی جدوجہد کی بھرپور حمایت کی اور اخلاقی و مالی مدد بہم پہنچائی۔ مسئلہ فلسطین کو کبھی صرف عرب ممالک کا مسئلہ نہ جانا اور اقوامِ متحدہ میں عربوں کے موقف کی حمایت کی۔

پاکستان نے ہمیشہ بنیادی نظریہ پیش کیا کہ عالمِ اسلام کو متحد ہو کر اپنے دفاع، آزادی، استحکام، ترقی اور مسائل کے حل کے لیے روسی یا امریکی بلاک کی طرف دیکھنے کی بجائے خود اپنے مسائل حل کرنے کے اقدامات کرنے چاہئیں۔

CS CamScanner

سعودی عرب کے پاکستان سے تعلقات:

سعودی عرب کو حرمین شریفین کے باعث مسلم ممالک میں کلیدی مقام حاصل ہے اور مسلمانوں کے روحانی جذبات اس ملک سے وابستہ ہیں۔ پاکستان کے یوں تو تمام مسلم ممالک کے ساتھ تعلقات ہیں لیکن سعودی عرب سے تعلقات ہمیشہ سے ہی گہرے آرہے ہیں۔ ہر سال ہزاروں مسلمان پاکستان سے حج کی غرض سے سعودی عرب جاتے ہیں۔ اس طرح پاکستانیوں کو عربوں کے ساتھ مل بیٹھنے کا موقع ملتا ہے۔ پاکستان سے کئی فنی ماہرین اور ڈاکٹر بھی سعودی عرب بھیجے گئے ہیں۔ سعودی عرب نے ہمیشہ پاکستان کی اخلاقی و مالی مدد کی ہے۔ مسئلہ کشمیر میں سعودی عرب نے ہماری ہر موقع پر مخلصانہ حمایت کی ہے۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں حرمین شریفین میں پاکستان کی فتح کی دعائیں مانگی گئیں۔ فروری ۱۹۷۴ء میں جب پاکستان میں سربراہی کانفرنس منعقد ہوئی اور شاہ فیصل لاہور تشریف لائے تو انہوں نے پاکستان کو اسلام کا قلعہ قرار دیا۔

۱۹۷۵ء میں سعودی عرب نے پاکستان کو بھاری صنعتوں کے قیام کے لیے بلا منافع امداد دینے کا اعلان کیا۔ پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ میں سعودی عرب نے گہری دلچسپی لی ہے اور زکوٰۃ فنڈ میں کثیر رقم دی ہے۔ دونوں ممالک میں باہمی تعاون سے متعدد منصوبے بروئے کار لائے جا رہے ہیں۔ جون ۱۹۸۰ء میں زرعی اور صنعتی شعبوں میں تعاون کے لیے دونوں ممالک میں برابری کی بنیاد پر جائنٹ سٹاک کمیٹی کے قیام کا معاہدہ ہوا۔ اس طرح پاکستان اپنے سنگین اقتصادی مسائل حل کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے اور روسی یا امریکی بلاک کی بجائے اسلامی بلاک کا اہم ستون ہے۔ سعودی عرب پاکستان میں وقتاً فوقتاً رونما ہونے والی قدرتی آفات میں بھرپور مدد بھی کرتا ہے۔

پاکستان اور ترکی:

ہمارے مسلمان دوستوں میں ترکی مضبوط ترین اتحادی ہے۔ ترکی سے ہمارے تعلقات صدیوں پرانے ہیں اور ہمیں اس کی رفاقت پر بجا طور پر فخر ہے۔ بیسویں صدی میں ترکی کے مسائل برصغیر کی مسلم سیاست کا محور رہے۔ برصغیر کے مسلمانوں نے ترکی کی خلافت کے لیے ایک زبردست تحریک چلائی اور بیش بہا قربانیاں دیں۔ یہ تحریک ''تحریکِ خلافت'' کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس تحریک کا مقصد یہ تھا کہ ترکی کی آزادی و سالمیت اور سلطانِ ترکی کی عزت و وقار پر کوئی آنچ نہ آئے۔ قیامِ پاکستان کے بعد ترکی سے دوستی ہمیں ورثے میں ملی۔

اپریل ۱۹۵۴ء میں دونوں ملکوں کے درمیان ایک دوستانہ معاہدہ ہوا جس کی رو سے دونوں ممالک سیاسی، معاشی، ثقافتی اور دفاعی معاملات میں تعاون پر آمادہ ہوئے۔ یہی معاہدہ آگے چل کر معاہدہ بغداد کہلایا۔ ۱۹۶۴ء میں دونوں ممالک معاہدہ استنبول یا

علاقائی تعاون برائے ترقی کے رشتہ میں منسلک ہوئے۔ اسی طرح کے دیگر مشترکہ اقتصادی معاہدے اب بھی جاری ہیں۔

دونوں ممالک ہمیشہ ایک دوسرے کی اخلاقی اور مالی مدد بھی کرتے رہے ہیں۔ پاکستان نے قبرص کے مسئلے پر ترکی کی کھل کر حمایت کی اور ترکی مسلمانوں پر قبرص میں ظلم و ستم پر سخت احتجاج کیا۔ اسی طرح ترکی پاکستان کو مسئلہ کشمیر پر حق بجانب سمجھتا ہے اور پاکستان کی کھل کر حمایت کرتا ہے۔ ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کی جنگوں میں ترکی نے کھل کر پاکستان کی مدد کی۔

ایران اور پاکستان:

ایران سے ہمارے مذہبی اور ثقافتی تعلقات صدیوں سے چلے آرہے ہیں۔ مسلم دورِ حکومت میں یہاں کی سرکاری زبان فارسی رہی ہے۔ دونوں ممالک کے تجارتی تعلقات بہت قدیم ہیں اور ان کے درمیان فنی و ثقافتی وفود کا تبادلہ ہوتا رہتا ہے۔ ایران اور پاکستان کے سربراہانِ مملکت کے دوروں سے یہ دوستانہ تعلقات مزید مضبوط ہوئے۔ معاہدہ استنبول میں پاکستان اور ترکی کے علاوہ ایران بھی شریک تھا۔

پاک بھارت جنگ ۱۹۶۵ء میں ایران نے پاکستان کی حمایت کے ساتھ ساتھ عملی مدد بھی کی۔ اسی طرح جب ایرانیوں نے ایک طویل عرصے کی جدوجہد کے بعد بادشاہت سے چھٹکارا پایا تو پاکستان پہلا ملک تھا جس نے ایران کو تسلیم کیا۔ دونوں ممالک میں اسلامی نفاذ کی کوششیں جاری ہیں۔

عراق اور پاکستان:

پاکستان نے عراق کے ساتھ بھی بڑے دوستانہ تعلقات قائم کر رکھے ہیں۔ معاہدہ بغداد کی بدولت دونوں ممالک میں بہت گہرے تعلقات تھے لیکن اس معاہدے کے ختم ہونے کے بعد دونوں ممالک کے تعلقات میں سرد مہری پیدا ہوگئی۔ پھر اس کے بعد عراق میں انقلاب آگیا اور آزاد جمہوریت قائم ہوئی۔ تب پاکستان کے صدر ضیاء الحق کی کوششوں کے سبب تعلقات میں دوبارہ بہتری پیدا ہوئی اور دونوں ممالک کے مابین ثقافتی، فنی اور تجارتی معاہدے ہوئے ہیں۔ کشمیر کے مسئلے پر عراق نے صاف الفاظ میں پاکستانی مؤقف کی حمایت کی ہے۔

پاکستان نے ایران عراق جنگ بند کرانے کے لیے اپنی طرف سے پوری کوششیں کی۔ پاکستان کے کردار اور خدمات کو دونوں ممالک نے سراہا ہے۔

افغانستان اور پاکستان:

افغانستان واحد اسلامی ملک ہے جس کے پاکستان کے ساتھ تعلقات کشیدہ رہے ہیں اور اس کی وجہ دونوں ممالک کے درمیان وہ حد ہے جو برطانوی دور میں حکومتِ برطانیہ اور حکومتِ افغانستان میں طے ہوئی تھی۔ اسے ڈیورنڈ لائن کہتے ہیں۔ قیامِ پاکستان کے وقت افغانستان نے ڈیورنڈ لائن پر نظرِ ثانی کا مطالبہ کیا تھا مگر پاکستان کا مؤقف یہ تھا کہ یہ سرحدی لائن افغانستان نے انگریزوں کے ساتھ مذاکرات کر کے طے کی تھی۔ اس کے بارے میں نئے سرے سے بات کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ نوآبادیاتی طاقتوں کے چلے جانے کے بعد بھی مختلف ممالک کی سرحدوں کے تعین کے معاملات کو طے شدہ نہ سمجھا جائے۔

۱۹۷۹ء میں روسی افواج کی مداخلت کے بعد لاکھوں افغان پاکستان میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ پاکستان نے روس کے زیرِ اثر قائم کی جانے والی افغان حکومت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور مطالبہ کیا کہ روسی افواج افغانستان سے چلی جائیں اور افغانستان کی عوام کو اپنی پسند کی حکومت کا حق دیا جائے۔ ۲۷ ستمبر ۱۹۹۶ کو افغانستان میں شروع ہونے والی تحریک کامیاب ہوئی اور ملاّ عمر کی سربراہی میں ایک اسلامی حکومت قائم ہوئی۔ اس حکومت کو پاکستان نے فوراً تسلیم کیا اور اس حکومت کے پاکستان کے ساتھ تعلقات بہت خوشگوار رہے لیکن بین الاقوامی سازشوں کا سلسلہ نہ رکا اور اسلام دشمن قوتوں نے مل کر طالبان حکومت کے خلاف لڑائیوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کیا جس کے نتیجے میں طالبان حکومت ایک طرف سیاسی طور پر اور دوسری طرف اقتصادی طور پر کمزور ہوگئی جبکہ ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کو ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے دھماکے کو جواز بنا کر امریکہ نے افغانستان پر قبضہ کر لیا اور آج تک اتحادی افواج نہ صرف افغانستان میں موجود ہیں بلکہ اب وہ پاکستانی حدود کی خلاف ورزی کر کے خطرے کی سنگین علامت بن رہی ہیں۔ اسلامی ممالک ہونے کے ناطے افغانستان اور پاکستان دونوں کا فرض بنتا ہے کہ وہ اسلام دشمن سازشوں کا مل کر مقابلہ کریں اور بھائیوں کی طرح بیٹھ کر اپنے باہمی اختلافات کو گفت وشنید کے ذریعے حل کریں۔

متحدہ عرب امارات اور پاکستان:

پاکستان کے کویت اور متحدہ عرب امارات میں شامل تمام عرب ریاستوں سے دوستانہ تعلقات ہیں۔ چھوٹی چھوٹی عرب ریاستیں تیل کی دولت سے مالا مال ہیں۔ عرب امارات پاکستان کو اقتصادی ترقی میں بھرپور مدد دے رہی ہے۔ کئی اقتصادی منصوبے ان کے اشتراک سے زیرِ تکمیل ہیں۔ مشترکہ بنک بھی قائم کیے گئے ہیں۔ امارات کے صدر خلیفہ بن زید بن سلطان النہیان اکثر پاکستان آتے رہتے ہیں۔ انہیں پاکستان کی معاشی ترقی سے خصوصی دلچسپی ہے۔ عرب ریاستیں پاکستان میں سڑکوں کی تعمیر، ہسپتال کی تعمیر اور افرادی قوت کو روزگار مہیا کر رہی ہے۔ پاکستان بھی ان ریاستوں کو ان کے اقتصادی منصوبوں کے لیے فنی افراد مہیا کرتا ہے۔ لاکھوں

NOT FOR SALE

کی تعداد میں پاکستانی تربیت یافتہ اور غیر تربیت یافتہ افراد ابوظہبی اور دبئی میں مصروفِ کار ہیں۔ پچھلے پانچ سالوں میں اوپیک (تیل برآمد کرنے والے ممالک کی تنظیم) نے پاکستان کو مجموعی طور پر دس ارب روپے کی امداد دی ہے۔ کشمیر کے مسئلے پر وہ پاکستان کی بھرپور حامی ہے۔ حقیقت میں پاکستان امارات کی بنا پر ہی یورپی ملکوں کی محتاجی سے آزاد ہوا ہے۔

شام اور پاکستان:

شام اور پاکستان بھی دوستی کے خوشگوار رشتے سے منسلک ہیں۔ دونوں ممالک مختلف شعبوں میں باہمی تعاون سے کام کر رہے ہیں۔ دونوں ممالک اسرائیلی جارحیت کے خلاف ہیں اور فلسطینیوں کے مطالبات کے زبردست حامی ہیں۔ پاکستان نے شام اور اسرائیل کی جنگ میں ہر قسم کی مدد کا یقین دلایا ہے۔

اردن اور پاکستان:

اردن جزیرہ نمائے عرب کا ایک چھوٹا سا مگر اہم اسلامی ملک ہے۔ اتنا چھوٹا اور اسرائیل کا پڑوسی ملک ہونے کے باوجود نہایت جرأت سے آزادانہ پالیسی اپنا رکھی ہے اور اسرائیلی جارحیت کی ہمیشہ کھل کر مخالفت کی ہے۔

اردن اور پاکستان کے برادرانہ تعلقات ہیں۔ اردن نے ہمیشہ پاکستان کے مؤقف کی حمایت کی ہے۔ ولی عہد شہزادہ حسن بن طلال جنہوں نے ایک پاکستانی خاتون سے شادی کی ہے، کئی بار پاکستان کا دورہ کر چکے ہیں۔ اس طرح دونوں ملکوں میں دوستی کے گہرے روابط ہیں۔

انڈونیشیا اور پاکستان:

25 کروڑ سے زیادہ آبادی والا ملک انڈونیشیا دنیا کے مسلم ممالک میں سے سب سے بڑا ہے۔ اس ملک کو ولندیزی سامراج سے نجات دلانے میں پاکستان نے عملی اور اخلاقی امداد بہم پہنچائی۔ آزادی کے بعد انڈونیشی صدر نے پاکستان دوستی پر فخر کیا۔ مرحوم صدر سوئیکارنو نے پاکستان اور بھارت کی جنگ میں کھلے لفظوں میں پاکستان کی حمایت کی۔ اپنے بحری یونٹ مشرقی پاکستان کی حفاظت کے لیے بھیجنے کے علاوہ ہر قسم کی مدد بہم پہنچائی۔ مسئلہ کشمیر کے سلسلہ میں بھی پاکستان کی حمایت کی۔ دونوں ممالک میں سفارتی اور تجارتی تعلقات قائم ہیں۔

مصر اور پاکستان:

عرب ممالک میں مصر کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ پاکستان نے مصر کے مؤقف کی ہمیشہ حمایت کی ہے۔ وادئ نیل

NOT FOR SALE

کے اتحاد اور نہر سویز پر اپنا حق منوانے کے لیے مصر نے جو کاروائی کی، پاکستان نے اس کی پوری تائید کی اور جب ۱۹۵۶ء میں برطانیہ، فرانس اور اسرائیل نے مصر پر چڑھائی کی تو پاکستانی عوام نے حملہ آوروں کے خلاف آواز بلند کی۔ سلامتی کونسل اور جنرل اسمبلی میں پاکستانی مندوب نے مصری مؤقف کی بھرپور تائید کی۔ ۱۹۶۰ء میں پاکستان اور مصر کے درمیان تجارتی اور ثقافتی معاہدے ہوئے۔ ۱۹۶۱ء میں مصر کے صدر جمال عبدالناصر کے دورہ سے دوستی کے اس رشتہ میں استحکام پیدا ہوا اور صدر سادات اور حسنی مبارک کے دور میں ان رشتوں کو اور زیادہ فروغ حاصل ہوا۔

لیبیا اور پاکستان:

لیبیا کی آزادی کے مسئلہ پر پاکستان نے قوموں کی برادری میں بڑی سرگرمی کا مظاہرہ کیا تھا۔ جمہوریہ لیبیاء کے صدر معمر قذافی سے اہلِ پاکستان کو خصوصی لگاؤ تھا۔ ۱۹۷۱ء میں پاک بھارت جنگ میں لیبیاء نے کھل کر پاکستان کی حمایت کی۔ ۱۹۷۴ء میں جب معمر قذافی اسلامی سربراہان کانفرنس میں شرکت کرنے کے لیے آئے تو پاکستانی عوام نے ان کا پرجوش استقبال کیا۔ لیبیا نے پاکستان کی صنعتی ترقی میں امداد دینے کا فیصلہ کیا ہے اس کے علاوہ دونوں ممالک ثقافتی اور سماجی تعاون میں بہت سے دوسرے مشترکہ منصوبوں میں کام پر آمادہ ہو چکے ہیں۔

ان ممالک کے علاوہ پاکستان کے الجزائر، مراکش، تیونس اور دوسرے افریقی مسلم ممالک کے ساتھ بھی دوستانہ و برادرانہ تعلقات ہیں اور یہ تمام ممالک مختلف شعبوں میں ایک دوسرے سے تعاون کر رہے ہیں۔ دراصل پاکستان اسلامی اتحاد کا زبردست حامی ہے اور پاکستان نے اس مقصد کے لیے جو مخلصانہ کوششیں کی ہیں، اسلامی ممالک ان کا اعتراف کرتے ہیں۔

۲۔ مسلم ممالک میں غیر مسلموں کے مسائل:

اسلام نے انسان کو اشرف المخلوقات قرار دیا۔ اس لحاظ سے اسلام تمام انسانی طبقات کے لیے پیغامِ رحمت ہے۔ اسلام نے احترامِ انسانیت اور انسان دوستی کا وہ درس دیا جو کوئی اور دین نہ دے سکا۔ اس نے اپنے ماننے والوں کو غیر مسلم اقوام اور رعایا کے ساتھ رواداری، حسنِ سلوک اور ہمدردی کا درس دیا۔ بہت سے ایسے اسلامی ممالک ہیں جہاں مسلمانوں کی حکومت ہونے کے باوجود غیر مسلم بڑی تعداد میں آباد ہیں۔ ہمارے ملک پاکستان میں بھی ہندو، سکھ، عیسائی اور پارسی مذہب کے پیروکار آباد ہیں۔

اکثر مسلمان ممالک میں غیر مسلموں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہے اور ان کے حقوق کا پورا پورا خیال رکھا جاتا ہے۔ کسی مسلمان ملک میں رہنے والے غیر مسلموں کی جان و مال کی حفاظت اس ملک کی ذمہ داری ہوتی ہے اور اسی لیے یہ لوگ اہل الذمہ یا ذمّی کہلاتے ہیں۔ تاہم بعض ممالک میں انھیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

مسلمان ہمیشہ اپنی اس تاریخ پر فخر کرتے رہے ہیں کہ دوسروں کے مقابلے میں مسلم حکومتوں اور معاشروں کے غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات بہتر رہے ہیں۔ چنانچہ خلفاء راشدین اور مابعد کے خلفاء اور امراء کے ادوار میں کبھی مسلمان حکومتوں کے ماتحت رہائش پذیر غیر مسلموں کو کسی امتیازی سلوک یا حق تلفی کی شکایت نہ ہوئی۔ حتیٰ کہ برصغیر میں تقریباً 8 سو سال مسلمان حکمران رہے لیکن ہندو اب تک موجود ہیں اور کبھی بھی حکومتی سطح پر ہندوؤں کے خلاف مذہبی بنیادوں پر جنگ یا فساد رونما نہیں ہوا البتہ حصول اقتدار کے لئے تنازعات ایک الگ موضوع ہے۔

تحریک پاکستان کی تحریک میں مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلم بھی شریک رہے اور اب بھی غیر مسلم بجائے ہجرت کرنے کے پاکستان میں اپنی مرضی سے رہائش پذیر ہیں۔ اس کو بدقسمتی کہا جائے کہ اب بھی پاکستان میں غیر مسلموں سے متعلق بحث و تمحیص ہوتی ہے۔

اسلام اپنے پیروکاروں کو پر امن غیر مسلموں کے ساتھ رواداری اور بقائے باہمی کی تلقین کرتا ہے لیکن مغربی ممالک میں بعض مذموم مقاصد کے تحت کچھ لوگوں نے یہ مشہور کر دیا ہے کہ اسلام غیر مسلموں کے قتل کرنے پر جنت کی خوشخبری دیتا ہے جو کہ انتہائی غلط پروپیگنڈہ اور اسلام کو بدنام کرنے کی مذموم کوشش ہے۔

دراصل غیر مسلم ممالک میں جب نبی اکرم ﷺ کی توہین یا مذہب اسلام کی توہین اور بے حرمتی کے واقعات رونما ہوتے ہیں جن کو وہاں کی حکومتیں روکنے کی کوشش نہیں کرتی ہیں تو یہاں کی سوسائٹی کا جذباتی عنصر سارے غیر مسلموں کو بزعم خویش ذمہ دار قرار دے کر اپنے ملک میں بسنے والے پر امن غیر مسلموں پر دست درازی کرتے ہیں جو کہ انتہائی مذموم حرکت ہے۔ کیوں کہ ملکی قانون نے ان غیر مسلموں کو برابر کے شہری حقوق عطاء کئے ہیں اور یہ لوگ قانون کی خلاف ورزی کے ساتھ ساتھ اسلام کے اصول کو بھی توڑتے ہیں جو نہیں ہونا چاہیے۔

موجودہ دور قومی حکومتوں کا ہے یعنی ایک جغرافیائی حدود کے اندر رہنے والے مختلف لسانی، نسلی اور مذہبی طور پر متنوع آبادی ایک قوم کہلاتی ہے، ان میں جس نوع کی آبادی کم ہو اس کو اقلیت سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ اقلیت لسانی یا نسلی یا مذہبی بھی ہو سکتی ہے اور عموماً اقلیتوں کے ساتھ اکثریت کا رویہ مساویانہ نہیں ہوتا ہے، ایسے رویئے معاشرے کے عمومی رویوں کی پیداوار ہوتے ہیں ایسے رویوں سے کبھی غیر مسلم اقلیت بھی متاثر ہوتی ہے اس لئے معاشرے میں ایسے رویوں کی

بیخ کنی کرنی چاہئے اور ان کو پھیلنے کی اجازت نہیں دینی چاہئے۔ ایسے ہی رویوں کا ایک نتیجہ اس صورت میں بھی نکل آتا ہے کہ کہیں کہیں دیہاتی علاقوں کے جذباتی مسلمانوں کے ہاں بجبر غیر مسلموں کو مذہب تبدیل کرنے پر ابھارا جاتا ہے۔

حالانکہ اسلام دین وعقیدہ میں جبر واکراہ کی اجازت نہیں دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

لَا اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ (البقرۃ:256)

ترجمہ: دین میں جبر وزبردستی نہیں ہدایت گمراہی سے واضح ہو چکی ہے۔

اس سلسلے میں ایک مسئلہ مرزائیوں (قادیانوں) کا ہے جن کو مسلم سوسائٹی نے مسلمان کی حیثیت سے تسلیم نہیں کیا ہے اور وہ اس پر مصر ہیں کہ وہ مسلمان ہیں چنانچہ آئین پاکستان میں بھی ان کو غیر مسلموں کے زمرے میں شامل کیا گیا ہے۔ یہ پیغمبر اسلام ﷺ کے ساتھ مسلمانوں کی جذباتی محبت ولگاؤ کا مسئلہ ہے۔ اگر یہ اقلیت اپنے آپ کو غیر مسلم تسلیم کرے تو یقیناً مسلم اکثریت کو غیر مسلموں کے حقوق سے ان کو نوازنے میں کوئی تامل نہیں ہوگا۔ بہر حال یہ رویوں کا مسئلہ ہے قانونی طور پر سب کو تحفظ کی ضمانت حاصل ہے۔

ایک مسئلہ ہندوؤں کا بھی ہے کہ جب ہندوستان میں مسلم اقلیت پر زیادتی ہوتی ہے یا وہاں پر مسلمانوں کو اپنی بقاء اور مذہب پر چلنے کی دشواری پیش آتی ہے تو عموماً اس کا ردعمل جذباتیت کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور معاشرے کا جذباتی عنصر ان کی عبادت گاہوں یا آبادیوں کو نقصان پہنچاتا ہے جو کہ از روئے اسلام قطعاً درست نہیں۔

عموماً یہ بھی کہا جاتا ہے کہ توہین رسالت کے قانون کا شکار اکثر غیر مسلم ہوتے ہیں اور ان کی جانیں خطرے کا شکار ہو جاتی ہیں: یہ مسئلہ بھی نبی اکرم ﷺ کی ذات ستودہ صفات کے ساتھ مسلمانوں کے جذباتی اور ایمانی لگاؤ سے تعلق رکھتا ہے اس لئے اگر اس مسئلے میں اقلیت اکثریت کے جذبات کا لحاظ رکھے اور اظہار میں واجب التعظیم کو ملحوظ رکھے تو یقیناً ایسی کوئی شکایت پیدا نہ ہوگی۔

مسلم ممالک میں غیر مسلموں کے حقوق:

اسلام اپنے ماننے والوں کو غیر مسلموں کے ساتھ عدل وانصاف اور رواداری کی تاکید کرتا ہے اور انہیں یہ حکم دیتا ہے کہ غیر مسلموں کی دشمنی بھی تمہیں بے انصافی اور ظلم پر امادہ نہ کرے بلکہ ہر حال میں انصاف کرتے رہو کیونکہ یہی تقوی داری کا تقاضا ہے۔ (المائدہ:۸)

چنانچہ اسلام، مسلم ممالک میں رہنے والے پرامن غیر مسلموں کو کئی طرح کے حقوق عطاء کرتا ہے، جن میں سے بعض مندرجہ ذیل ہیں۔

★ انہیں اپنے مذہب کے مطابق عبادت بجالانے کی آزادی ہے۔
★ انہیں اپنی ضرورت کے مطابق عبادت گاہیں تعمیر کرنے کی آزادی ہے۔
★ انہیں اپنی مذہبی کتابیں پڑھنے اور اپنے بچوں کو پڑھانے کی آزادی ہے۔
★ انہیں اپنے تہواروں، رسوم اور مذہبی تقریبات کو منانے، ان میں شرکت کرنے اور اکٹھے ہونے کی آزادی ہے۔
★ انہیں مسلم ریاست میں حکومتی مناصب اور پبلک عہدوں کو اہلیت کی بنیاد پر حاصل کرنے کی آزادی ہے جس پر مسلم ادوار حکمرانی کی تاریخ گواہ ہے۔ پاکستان میں بھی غیر مسلم ممبر پارلیمنٹ، وزیر اور مشیر وغیرہ عہدوں پر فائز رہتے ہیں۔
★ مسلم ریاست میں غیر مسلم اپنے مذہب کے احکام کے مطابق کھا پی سکتے ہیں۔
★ مسلم ریاست میں غیر مسلم نکاح، طلاق اور وراثت وغیرہ کے احکام میں اپنے مذہب کی تعلیمات پر عمل کرنے میں آزاد ہیں۔

البتہ مسلم ریاست میں غیر مسلم ذمی کو یہ اجازت نہیں کہ وہ مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لیے اسلام کے خلاف منفی پروپیگنڈہ کرے یا مسلمانوں کی مقدس ہستیوں اور متبرک مقامات کی بے حرمتی کرے اور نہ ہی مسلمانوں کے لیے جائز ہے کہ وہ ان امور میں غیر مسلموں کی امداد وتعاون کریں۔

اس طرح غیر مسلم کے لیے یہ اجازت نہیں کہ کسی مسلم ریاست میں رہتے ہوئے اس کے خلاف جاسوسی کرے یا دشمن کی مدد کرے یا سازش کرے یا مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے، نیز اس کے لیے یہ بھی اجازت نہیں کہ وہ مسلم ریاست کے قوانین کی خلاف ورزی کرے یا بدامنی پھیلائے یا کسی کی جان، مال اور عزت وآبرو پر دست درازی کرے۔

الغرض ایک مسلم ریاست کو اسلام کے سچے پیروکار کی حیثیت سے اپنے غیر مسلم شہریوں کو یہ تمام حقوق خوش دلی سے دینے چاہیے اور ان کو کسی بھی طرح امتیازی سلوک کا تاثر نہیں دینا چاہیے تاکہ وہ مسلمانوں کی رواداری، انصاف پسندی اور نیک کرداری سے متاثر ہو کر اسلام کی طرف راغب ہوں جیسا کہ قرونِ اولی کے مسلمانوں میں یہ اصول رائج تھا۔

۲۔ غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کے مسائل:

اس وقت دنیا کے مسلمانوں کی ایک تہائی سے زیادہ آبادی غیر مسلم ممالک میں اقلیتوں کے طور پر رہ رہی ہے جو نہ صرف ان ملکوں کے لیے بلکہ ان میں رہنے والے مسلمان اقلیتوں کے لیے ایک آزمائش ہے۔ دنیا کے مختلف غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کا

CS CamScanner

تناسب درج ذیل ہے۔

ملک	مسلمان آبادی	ملک	مسلمان آبادی	ملک	مسلمان آبادی
نائجیریا	43.9%	کیمرون	21.2%	موریشیس	16.6%
یوگنڈا	16.0%	سنگاپور	14.9%	بھارت	11.96%
سری لنکا	9.0%	فرانس	7.1%	جنوبی افریقہ	2.4%
انگلستان	2.0%	امریکہ	1.9%	چین	1.5%

زیادہ تر مسلمانوں کا خیال ہے کہ مسلمان اقلیتیں مسلم امہ کا ایک اہم حصہ ہیں۔ بہت سے لوگ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ مسلمانوں کو اسلامی اصول وقوانین کے مطابق زندگی بسر کرنے دیا جانا چاہیئے۔ ترقی یافتہ ممالک سے اس بات کی توقع کی جاتی ہے کہ وہ اقلیتوں کو سیاسی، اقتصادی اور انسانی وسائل فراہم کریں تاکہ وہ اسلامی طریقے سے زندگی گزار سکیں۔ اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ اگرچہ ان ممالک میں مسلمان تین نسلوں سے رہتے چلے آرہے ہیں پھر بھی ان کی رہائش یہاں مستقل نہیں ہے کیونکہ مسلمان زیادہ دیر غیر مسلموں کے زیرِ حکومت زندگی نہیں گزار سکتے۔ یہ سوچ اس خیال کو بھی جنم دیتی ہے کہ مسلمان اقلیتیں، مسلمانوں کی غیر مسلم ممالک میں نوآبادیاں ہیں۔

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ جو مسلمان اقلیت غیر مسلم ممالک میں بستی ہے ان پر لازم ہے کہ وہ ان ممالک کے ان قوانین کی پابندی کریں کہ جن کا تعلق ملک کے امن وامان سے ہو اور جن کی پابندی سے اسلام کے احکام کی خلاف ورزی لازم نہ آتی ہو۔ مسلمانوں اقلیتوں کے لیے لازم ہے کہ وہ جس غیر مسلم ملک میں بستے ہوں اس کی تعمیر وترقی اور فلاح و بہبود میں بھرپور حصہ لے اور اپنی امانت ودیانت، خوش اخلاقی اور صداقت، انسانی ہمدردی، خیر خواہی، بھلائی اور امن پسندی سے نیک نامی پیدا کریں اور اپنے کردار سے غیر مسلموں کو اسلام کی طرف راغب کریں۔

اس بات سے قطع نظر کہ غیر مسلم ممالک وہ کردار ادا کر سکتے ہیں، جو اوپر بیان کیا گیا ہے یا نہیں؛ ایک اور بڑا مسئلہ ان ممالک میں مسلمان اقلیتوں کے مستقبل کا ہے۔ غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کا مستقبل محفوظ نہیں ہے۔ غیر مسلم ریاست کسی بھی وقت، کسی بھی بات کو بنیاد بنا کر مسلمانوں کو ملک بدر کر سکتی ہے۔ جیسا کہ ۲۰۰۱ء میں امریکہ میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر میں دہشت گردی کے واقعے کے بعد ہوا۔ اس واقعے کے بعد مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کو دہشت گرد اور اس واقعے کا ذمہ دار قرار دے کر ملک بدر کر دیا گیا۔

اسی طرح بھارت کی کئی سیاسی تنظیموں کا بھی رویہ مسلم کش ہے۔ اکثر غیر مسلم ممالک کی طرح بھارت میں بھی مسلمانوں کو مذہبی آزادی حاصل نہیں ہے، جس کی ایک مثال بابری مسجد کا شہید کیا جانا ہے۔ اس کے علاوہ بھارت کے شہر احمد آباد میں ہونے والے مسلم کش فسادات اس کا واضح ثبوت ہیں۔

علاوہ ازیں غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کو کئی طرح کے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ان میں سے ایک اہم مسئلہ تعلیم کا بھی ہے۔ مسلمان اقلیت کے بچوں کے لیے ابتدائی تعلیم کے ایسے اداروں کی ضرورت ہوتی ہے کہ جن میں ناظرہ قرآن، نماز واذکار اور اسلام کی بنیادی باتوں کی تعلیم کا انتظام ہو۔

نیز ان اخلاق باختہ معاشروں میں مسلمان نوجوانوں کی بے راہ روی کا وافر سامان موجود ہوتا ہے جس سے ان نوجوانوں کے والدین کو شب وروز پریشانی لاحق ہوتی ہے۔ مسلمان اقلیت کے لیے غیر مسلم ممالک میں ایک مسئلہ مسلم خواتین کی شادی بیاہ کا بھی ہے اس لیے کہ قرآن کریم مسلم خاتون کے کسی بھی غیر مسلم کے ساتھ زن وشوئی کے تعلق کی اجازت نہیں دیتا ہے جب کہ اقوام متحدہ کا چارٹر اس پابندی کو انسانی حقوق کے منافی قرار دیتا ہے جس پر بدقسمتی سے مسلم ممالک نے بھی دستخط کیے ہیں۔

غیر مسلم ممالک میں مسلمان اقلیت کے لیے ایک دشواری بعض اسلامی فرائض کی بجا آوری میں بھی ہے مثلاً یورپی ممالک میں مسلم خواتین کے پردے پر پابندی کا رجحان غالب ہو رہا ہے اور اب تو 9/11 کے بعد غیر مسلم ممالک خصوصاً یورپ وامریکہ میں مسلمان اقلیت کے ساتھ تعصب ونفرت کا رویہ رکھا جاتا ہے اور نسل پرستی کی عام ہوا چل پڑی ہے جس کی وجہ سے بعض ممالک میں مسلمان اقلیت امتیازی سلوک کا شکار ہوگئی ہے۔

ایک غلط تصور جھوٹے پروپیگنڈے کی بدولت قائم کیا گیا ہے کہ مسلمان دہشت گرد اور شدت پسند ہیں اس لیے بھی ان ممالک کے غیر مسلم باشندوں کے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں سے نفرت پیدا کی گئی ہے اور مذہبی تعصب کو ابھارا گیا ہے جس سے ان ممالک میں مسلمان اقلیتوں کا مستقبل خطرے میں پڑ گیا ہے۔ غیر مسلم ریاستوں میں مسلمان اقلیت کو حلال خوراک کے حصول میں دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس کے لیے حکومتی سطح پر انتظام ہونا چاہیے۔

CS CamScanner

مشق

سوال نمبر۱۔ درج ذیل سوالات کے جواب تفصیل سے دیں۔

الف۔ عالمِ اسلام کے باہمی تعلقات کی بنیاد قرآن وسنت ہے۔ وضاحت کریں۔

ب۔ ''سعودی عرب عالمِ اسلام کا محور ومرکز ہے'' اس بیان کی وضاحت سعودی عرب کے دیگر مسلمان ممالک کے ساتھ تعلقات کی روشنی میں کریں۔

ج۔ افغانستان کے پاکستان کے ساتھ تعلقات ہمیشہ غیر مستحکم رہے۔ بحث کریں۔

د۔ موجودہ دور میں عالمِ اسلام کے چیدہ چیدہ مسائل تفصیل سے بیان کریں۔

سوال نمبر۲۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں۔

الف۔ پاکستان اور سعودی عرب کے تعلقات کی بنیاد کس چیز پر ہے؟

ب۔ معاہدۂ بغداد کن ممالک کے مابین ہوا تھا؟

ج۔ افریقی مسلم ممالک کے ساتھ پاکستان کے تعلقات کس وجہ سے مضبوط ہیں؟

د۔ بھارت میں مسلمانوں کو درپیش تین مسائل کا ذکر کریں۔

ہ۔ سنگاپور میں کتنے فیصد مسلمان آباد ہیں؟

سوال نمبر۳۔ غلط اور درست کی نشاندہی کریں۔

الف۔ شاہ فیصل نے پاکستان کو اسلام کا قلعہ قرار دیا۔

ب۔ تحریکِ خلافت افغانستان کے مفاد کے لیے شروع کی گئی۔

ج۔ علاقائی تعاون برائے ترقی پاکستان اور ترکی کے درمیان ۱۹۵۴ء میں قائم ہوا۔

د۔ بھارت میں تقریباً بارہ فیصد مسلمان رہتے ہیں۔

ہ۔ ورلڈ ٹریڈ سنٹر ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کو تباہ ہوا۔

و۔ لیبیاء کے صدر معمر قذافی ۱۹۷۴ء کو اسلامی کانفرنس میں شرکت کے لیے پاکستان آئے۔

سرگرمی: معلم/معلّمہ، طلباء/طالبات کو پاکستان اور سعودی عرب کے درمیان تعلقات کو خط وقت کے ذریعے واضح کرنے کا کام تفویض کرے۔

باب نہم

عربی زبان

تدریسی مقاصد

اس سبق کے پڑھنے کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

عربی زبان کی مہارت اربعہ کے ساتھ ساتھ مختلف علوم سے واقف ہو سکیں اور عربی ادب کا مطالعہ، قرآن مجید، حدیث وآثار کے ادب عالی کے ذریعے کر سکیں نیز وہ جان سکیں کہ مختلف علوم میں اظہار و بیان کی مختلف شکلیں کیا ہوتی ہیں؟

۱ المُرَكَّب النَّاقِص وَالتَّام

المُرَكَّبُ النَّاقِص:

المُرَكَّبُ الإِضَافِي:

دو الفاظ کا ایک ایسا مرکب جس میں ایک لفظ کا دوسرے لفظ سے ایک خاص تعلق ہو۔ اس تعلق یا نسبت کو اضافت کا نام دیا جاتا ہے۔ اردو میں ہم اس تعلق کو ''کا، کی، کے'' وغیرہ سے ظاہر کرتے ہیں۔ مثلاً

هٰذَا كِتَابُ الأُسْتَاذِ	یہ استاد کی کتاب ہے۔
هٰذِهٖ دَرَّاجَةُ الوَلَدِ	یہ لڑکے کی سائیکل ہے۔
ذٰلِكَ بَابُ المَدْرَسَةِ	وہ مدرسہ کا دروازہ ہے۔

مندرجہ بالا مثالوں میں ''کتاب کو استاد سے''، ''سائیکل کو لڑکے سے'' اور ''دروازہ کو مدرسہ سے'' ایک خاص نسبت ہے۔ اس خاص نسبت کو ''اضافت'' کا نام دیا جاتا ہے۔

★ جس اسم کو کسی کی طرف منسوب کیا جائے وہ مضاف کہلاتا ہے۔ جبکہ اسے جس اسم کی طرف منسوب کیا جائے وہ مضاف الیہ کہلاتا ہے۔ مثلاً پہلی مثال میں کتاب کو استاد کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اس مثال میں کتاب ''مضاف'' جبکہ استاد ''مضاف الیہ'' ہے۔

★ جس طرح اسم ظاہر مضاف الیہ ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ دی گئی مثالوں میں بتایا گیا ہے۔ مثلاً اِسْمُ الْوَلَدِ ۔ اِسْمُ الْاُسْتَاذِ ۔ اِسْمُ الْمَرْاَةِ ۔

اسی طرح ضمیر متصل بھی مضاف الیہ بن سکتا ہے۔ مثلاً اِسْمُهٗ ، اِسْمُکَ، اِسْمِیْ ۔

اب ایسے جملے پیش کیے جاتے ہیں جو مرکب اضافی پر مشتمل ہیں۔ ان کا اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے۔

هٰذَا عَبْدُاللّٰهِ	یہ اللہ کا بندہ ہے۔
اَلْمَسجِدُ بَيْتُ اللّٰهِ	مسجد اللہ تعالیٰ کا گھر ہے۔
حَلِيْبُ الْبَقَرِ مُفِيْدٌ	گائے کا دودھ مفید ہے۔
كِتَابُکَ جَدِيْدٌ	تیری کتاب نئی ہے۔

درج بالا مثالوں میں مضاف نکرہ استعمال کیا گیا ہے۔

التوصیفی:

دو اسموں کا ایسا مجموعہ جس میں دوسرا اسم اپنے سے پہلے اسم کی اچھائی یا برائی بیان کرے۔

★ عربی میں اردو کے برعکس موصوف پہلے آتا ہے۔ مثلاً: رَجُلٌ صَالِحٌ (نیک آدمی)

★ جس اسم کی اچھائی، برائی یا دیگر کیفیت بیان کی جائے ''موصوف'' کہلاتا ہے اور جو اسم اچھائی یا برائی بتا رہا ہو ''صفت'' ہوتا ہے۔

★ تذکیر و تانیث میں صفت اپنے موصوف کے مطابق ہوتی ہے۔

★ اگر ''موصوف'' اسم معرفہ ہو تو ''صفت'' بھی اسم معرفہ ہوتی ہے اور اگر ''موصوف'' اسم نکرہ ہو تو ''صفت'' بھی اسم نکرہ آئے گی۔

★ واحد اور جمع میں بھی ''صفت'' اپنے ''موصوف'' کے مطابق ہوتی ہے۔

درج ذیل جملوں میں مرکب توصیفی استعمال کیا گیا ہے۔

هٰذَا رَجُلٌ صَادِقٌ	یہ سچا آدمی ہے۔
تِلْكَ سَيَّارَةٌ سَرِيْعَةٌ	وہ تیز رفتار موٹر کار ہے۔
ذٰلِكَ طَرِيْقٌ عَرِيْضٌ	وہ چوڑا راستہ ہے۔

پہلی مثال میں آدمی کی صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ سچا ہے۔ اس طرح اس جملے میں ''سچا'' صفت جبکہ ''آدمی'' موصوف ہے۔

★ مرکب توصیفی کے جملوں میں اگر موصوف مونث ہو تو صفت بھی مونث آئے گی۔ اسی طرح اگر موصوف مذکر ہو تو صفت بھی مذکر ہوگی۔ جیسا کہ درج ذیل مثالوں سے واضح ہے۔

مُعَامَلَةٌ حَسَنَةٌ	اچھا معاملہ	لَاعِبٌ سَرِيْعٌ	تیز رفتار کھلاڑی
سَاعَةٌ ثَمِيْنَةٌ	قیمتی گھڑی	بَابٌ عَرِيْضٌ	چوڑا دروازہ

★ اگر موصوف اسم نکرہ ہو تو صفت لام تعریف (معرفہ بنانے والا ''ال'') کے بغیر آئے گی۔ جیسا کہ درج ذیل مثالوں سے ظاہر ہے۔

دَوَاءٌ مُرٌّ	کڑوی دوا	رَجُلٌ صَالِحٌ	نیک آدمی

② المُرَكَّب العَدَدِي

عربی	اردو	عربی	اردو
وَاحِدٌ	ایک	اِثْنَانِ	دو
ثَلَاثَةٌ	تین	اَرْبَعَةٌ	چار
خَمْسَةٌ	پانچ	سِتَّةٌ	چھ
سَبْعَةٌ	سات	ثَمَانِيَةٌ	آٹھ
تِسْعَةٌ	نو	عَشَرَةٌ	دس
اَحَدَ عَشَرَ	گیارہ	اِثْنَا عَشَرَ	بارہ
ثَلَاثَ عَشَرَ	تیرہ	اَرْبَعَ عَشَرَ	چودہ

خَمسَ عَشَرَ	پندرہ	سِتَّ عَشَرَ	سولہ
سَبعَ عَشَرَ	سترہ	ثَمَانِی عَشَرَ	اٹھارہ
تِسعَ عَشَرَ	انیس	عِشرُونَ	بیس
وَاحِدٌ وَ عِشرُونَ	اکیس	اِثْنَانِ وَ عِشرُونَ	بائیس
ثَلَاثٌ وَ عِشرُونَ	تیئس	اَربَعَ وَ عِشرُونَ	چوبیس
خَمسَ وَ عِشرُونَ	پچیس	سِتَّ وَ عِشرُونَ	چھبیس
سَبعَ وَ عِشرُونَ	ستائیس	ثَمَانِی وَ عِشرُونَ	اٹھائیس
تِسعَ وَ عِشرُونَ	انتیس	ثَلَاثُونَ	تیس
وَاحِدٌ وَ ثَلَاثُونَ	اکتیس	اِثْنَانِ وَ ثَلَاثُونَ	بتیس
ثَلَاثٌ وَ ثَلَاثُونَ	تینتیس	اَربَعَ وَ ثَلَاثُونَ	چونتیس
خَمسَ وَ ثَلَاثُونَ	پینتیس	سِتَّ وَ ثَلَاثُونَ	چھتیس
سَبعَ وَ ثَلَاثُونَ	سینتیس	ثَمَانِی وَ ثَلَاثُونَ	اڑتیس
تِسعَ وَ ثَلَاثُونَ	انتالیس	اَربَعُونَ	چالیس
وَاحِدٌ وَ اَربَعُونَ	اکتالیس	اِثْنَانِ وَ اَربَعُونَ	بیالیس
ثَلَاثٌ وَ اَربَعُونَ	تینتالیس	اَربَعَ وَ اَربَعُونَ	چوالیس
خَمسَ وَ اَربَعُونَ	پینتالیس	سِتَّ وَ اَربَعُونَ	چھیالیس
سَبعَ وَ اَربَعُونَ	سینتالیس	ثَمَانِی وَ اَربَعُونَ	اڑتالیس
تِسعَ وَ اَربَعُونَ	انچاس	خَمسُونَ	پچاس
وَاحِدٌ وَ خَمسُونَ	اکاون	اِثْنَانِ وَ خَمسُونَ	باون
ثَلَاثٌ وَ خَمسُونَ	ترپن	اَربَعَ وَ خَمسُونَ	چون

خَمسَ وَ خَمسُونَ	پچپن	سِتَّ وَ خَمسُونَ	چھپن
سَبعَ وَ خَمسُونَ	ستاون	ثَمَانِی وَ خَمسُونَ	اٹھاون
تِسعَ وَ خَمسُونَ	انسٹھ	سِتُّونَ	ساٹھ
وَاحِدٌ وَ سِتُّونَ	اکسٹھ	اِثْنَانِ وَ سِتُّونَ	باسٹھ
ثَلَاثٌ وَ سِتُّونَ	تریسٹھ	اَربَعَ وَ سِتُّونَ	چونسٹھ
خَمسَ وَ سِتُّونَ	پینسٹھ	سِتَّ وَ سِتُّونَ	چھیاسٹھ
سَبعَ وَ سِتُّونَ	سڑسٹھ	ثَمَانِی وَ سِتُّونَ	اڑسٹھ
تِسعَ وَ سِتُّونَ	انہتر	سَبعُونَ	ستر
وَاحِدٌ وَ سَبعُونَ	اکہتر	اِثْنَانِ وَ سَبعُونَ	بہتر
ثَلَاثٌ وَ سَبعُونَ	تہتر	اَربَعَ وَ سَبعُونَ	چوہتر
خَمسَ وَ سَبعُونَ	پچھتر	سِتَّ وَ سَبعُونَ	چھہتر
سَبعَ وَ سَبعُونَ	ستتر	ثَمَانِی وَ سَبعُونَ	اٹھہتر
تِسعَ وَ سَبعُونَ	اناسی	ثَمَانُونَ	اسی
وَاحِدٌ وَ ثَمَانُونَ	اکاسی	اِثْنَانِ وَ ثَمَانُونَ	بیاسی
ثَلَاثٌ وَ ثَمَانُونَ	تراسی	اَربَعَ وَ ثَمَانُونَ	چوراسی
خَمسَ وَ ثَمَانُونَ	پچاسی	سِتَّ وَ ثَمَانُونَ	چھیاسی
سَبعَ وَ ثَمَانُونَ	ستاسی	ثَمَانِی وَ ثَمَانُونَ	اٹھاسی
تِسعَ وَ ثَمَانُونَ	نواسی	تِسعُونَ	نوے
وَاحِدٌ وَ تِسعُونَ	اکانوے	اِثْنَانِ وَ تِسعُونَ	بانوے
ثَلَاثٌ وَ تِسعُونَ	ترانوے	اَربَعَ وَ تِسعُونَ	چورانوے

خَمسَ وَ تِسعُونَ — پچانوے — سِتَّ وَ تِسعُونَ — چھیانوے
سَبعَ وَ تِسعُونَ — ستانوے — ثَمانِی وَ تِسعُونَ — اٹھانوے
تِسعَ وَ تِسعُونَ — ننانوے — مِائَۃ" — سو

③ اَلمُرَكَّبُ التَّام:

اَلجُملَةُ الاِسمِيَة:

جملہ اسمیہ وہ ہوتا ہے جس کی ابتداء اسم ظاہر یا منفصل ضمیر (جیسے هُوَ، نَحنُ ، اَنتِ) سے ہو۔

ا. اَلکِتَابُ جَدِید' — اَلتِلمِیذَۃُ غَائِبَۃ' — اَلاَشجَارُ عَالِیَۃ'
اَلرِّجَال طِوَال' — اَلاَحوَالُ ھَادِئَۃ' — اَلعَدلُ رَحمَۃ'

★ درج بالا جملوں کی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں ہر مبتدا اور ہر خبر مفرد کلمہ ہے، مرکب نہیں۔

ب. اَلقَلَمُ فَوقَ الکِتَابِ — ھٰذَا کِتَابُ الاُستَاذِ — اَلوَلَدُ کَثِیرُ العَطفِ
اَنَا تَحتَ السَّقفِ — اَنتَ بَینَ الکُتُبِ — نَحنُ اَمَامَ الاُستَاذِ

★ درج بالا میں مبتداء مفرد کلمہ ہے جبکہ خبر مضاف و مضاف الیہ سے مرکب ہے۔

ج. اَلوَلَدُ فِی البُستَانِ — اَلسَّیِّدَۃُ فِی المَنزِلِ — اَلبِنتُ فِی الحَدِیقَۃِ
اَلاِنسَانُ مِن تُرَابٍ — اَلاُمَمُ بِالاَخلَاقِ — اَلنَّجَاۃُ فِی الصِّدقِ

★ درج بالا جملوں میں بھی مبتداء مفرد کلمہ ہے مگر خبر جار و مجرور سے مرکب ہے۔

د. اَلبِنتُ حَفِظَتْ دَرسَهَا — اَنَا اَذکُرُ دُرُوسِی
اَلثِّمَارُ قَلَّتْ فِی الشِّتَاءِ — حَامِدُ انشَغَلَ الیَومَ

★ درج بالا جملوں میں مبتداء مفرد اور خبر جملہ فعلیہ ہے۔

ہ. بَاکِستَانُ اَرضُهَا غَنِیَّۃ' — الحِجَازُ ارضُهَا مُبَارَکَۃ'
البِنتُ اِسمُهَا رَضِیَّۃ' — المُؤمِن مِعرَاجُهُ الصَّلَاۃُ

★ متذکرہ بالا جملوں میں:

۱. خبر ایک جملہ اسمیہ ہے جو خود مبتداء اور خبر پر مشتمل ہے۔
۲. اور اس کا مبتداء ہر حال میں مضاف اور مضاف الیہ سے مرکب ہے۔
۳. اور یہ مضاف الیہ ہر حال میں ایک ضمیر ہے جو پہلے مبتدا کی طرف راجع ہے۔

و. حُبُّ الوَطَنِ مِنَ الفِطرَۃِ — اَلدَّارُ الآخِرَۃُ دَارُالبَقَاءِ
صَلَاحُ الحَالِ مَرجِعُهُ الاَخلَاقُ — عَبدُاللّٰہِ کَثِیرُ العِبَادَۃِ

★ درج بالا مثالوں میں مبتداء بھی مرکب ہے اور خبر بھی۔

ز. فَوقَ الشَّجَرَۃِ طَیر' — اَمَامَ السَّیَّارۃ حَجَر'
فِی الجَوِّ سَحَاب' — فِی المَدرَسَۃِ حَفل'

★ درج بالا مثالوں میں خبر جملے کے شروع میں ہے اور مبتداء بعد میں۔ ایسی صورت میں بالعموم مبتداء اسم نکرہ ہوتا ہے

اہم نکات:

★ جملہ اسمیہ میں پہلا جز مبتداء کہلاتا ہے اور دوسرے جز کو خبر کہتے ہیں خواہ وہ مفرد لفظ ہو، مرکّب ہو یا جملہ۔
★ عام طور پر جملہ اسمیہ میں مبتداء اسم معرفہ ہوتا ہے اور خبر نکرہ ہوتی ہے۔
★ البتہ خبر مبتداء سے پہلے آجائے تو مبتدا عموماً نکرہ ہوتا ہے۔
★ اگر مبتداء واحد ہو تو خبر بھی واحد اور جمع ہو تو خبر بھی جمع ہوگی۔
★ اسی طرح اگر مبتداء مذکر ہو تو خبر بھی مذکر اور مؤنث ہو تو خبر بھی مؤنث ہوگی۔
★ البتہ اگر مبتداء جمع مکسّر ہو تو خبر واحد مؤنث آئے گی۔ مثلاً الاَشجَارُ طَوِیلَۃ' (درخت لمبے ہیں)۔

الجُملَةُ الفِعلِيَة:

جملہ فعلیہ وہ ہوتا ہے جس کے شروع میں کوئی فعل ہو۔

ا. جَاءَ حَامِد' — وَصَلَتْ السَّیَّارَۃُ
طَلَعَ القَمَرُ — رَجَعَتْ اَلمُسَافِرَۃُ
جَلَسَ الاُستَاذُ — اِخضَرَّتِ الاَرضُ

★ درج بالا مثالوں میں سب جملے فعل ماضی سے شروع ہوتے ہیں۔ پہلے کالم میں ہر جملے کا فاعل مذکر ہے اس لیے فعل بھی مذکر

ہے۔ دوسرے کالم میں ہر جملے کا فاعل مؤنث ہے اس لیے فعل بھی مؤنث کے صیغے میں آیا ہے۔

ب. يَلْعَبُ الطِّفْلُ　　يَرْجِعُ المُسَافِرُ　　يَفْرَحُ الوَلَدُ

تَكْتُبُ فَاطِمَةُ　　تَذْهَبُ خَدِيجَةُ　　تَقْدَمُ الْمُسَافِرَةُ

★ درج بالا جملوں میں صرف یہ تبدیلی ہوئی ہے کہ ہر جملہ فعل ماضی کی بجائے فعل مضارع سے شروع ہوتا ہے۔ یہاں بھی جملے کا فاعل مذکر ہے تو فعل بھی مذکر ہے اور اگر جملے کا فاعل مؤنث ہے تو فعل بھی مؤنث کے صیغے میں آیا ہے۔

ج. غَابَ التَّلَامِيذُ　　ذَهَبَتِ النِّسَاءُ　　اِتَّصَلَ الْمُدَرِّسَاتُ

★ درج بالا جملوں سے واضح ہوتا ہے کہ جملہ فعلیہ میں فاعل خواہ جمع ہو یا واحد، فعل واحد کے صیغے میں آتا ہے البتہ مذکر کے ساتھ مذکر اور مؤنث کے ساتھ مؤنث۔

د. نَضِجَتِ الثِّمَارُ　　تَفَتَّحَتِ الزُّهُورُ　　عَطَشَتِ الزُّرُوعُ

★ فاعل اگر جمع غیر عاقل ہو تو اس کا فعل عام طور پر واحد مؤنث کے صیغے میں آتا ہے البتہ اگر فاعل جمع عاقل ہو تو فعل مذکر بھی جائز ہے اور مؤنث بھی۔

مثلاً قَالَتِ الاعرَابُ　　قَال نِسْوَةٌ.

ہ. عَادَ فَضْلُ الرَّحمٰنِ مِنْ لَاهُور　　تُحْسِنُ الْبِنْتُ إِلى الفُقَرَاءِ

اِحْضِرْ اِلَى العَمَلِ صَبَاحاً　　وَقَعَتِ الطِّفْلَةُ عَلَى الْاَرْضِ

★ ان جملوں میں فاعل کے بعد مفعول نہیں۔ فعل صرف فاعل کے ساتھ ہی پورا ہو گیا ہے۔ ایسے فعل کو جسے مفعول کی ضرورت نہ ہو، فعل لازم کہتے ہیں۔

و. جَرَبَ الاُسْتَاذُ الوَلَدَ　　يَدخُلُ المُؤمِنُ الْجَنَّةَ

رَفَعَ اللّٰهُ السَّمَاءَ　　لَبِسَ الوَلَدُ ثَوباً جَدِيداً

★ درج بالا جملوں میں ہر جملہ فعل، فاعل اور مفعول سے مل کر بنا ہے۔ مفعول کے بغیر فعل کی تکمیل نہیں ہوتی۔ ایسے افعال جو مفعول کے بغیر مکمل نہ ہوں متعدی کہلاتے ہیں۔

ز. شَرِبْتِ المَاءَ　　حَضَرْنَا الدَّرسَ　　نَسْئَلُ اللّٰهَ النَّجاحَ

★ ان مثالوں میں کسی جملے کا فاعل اسم ظاہر نہیں بلکہ جملے کے فعل میں ایک ضمیر بارز (ظاہر) یا مستتر (چھپی ہوئی) ہے جو اس کا فاعل ہے۔

NOT FOR SALE

★ اگر مفعول پر زور دینا مقصود ہو تو اسے فاعل سے پہلے لایا جا سکتا ہے۔ مثلاً:

عَلَّمَ الوَلَدَ الاُستَاذُ　　دَخَلَ المَنزِلَ الضُّيُوفُ　　اِنْتَظَرَكَ الرَّجُلُ

اہم نکات:

★ جملہ فعلیہ ہمیشہ فعل سے شروع ہوتا ہے۔
★ عموماً فعل کے بعد فاعل اور پھر مفعول آتا ہے۔
★ مفعول پر زور دینا مقصود ہو یا مفعول ضمیر متصل ہو تو فعل فاعل سے پہلے آئے گا۔
★ فاعل ہمیشہ مرفوع ہوتا ہے۔
★ مفعول ہمیشہ منصوب ہوتا ہے۔
★ فاعل خواہ واحد ہو یا جمع، فعل بہر صورت واحد ہوتا ہے۔ البتہ اگر فاعل جمع مکسر ہو تو مذکر بھی ہو سکتا ہے اور مؤنث بھی۔
★ فاعل مذکر ہو تو فعل بھی مذکر ہو گا اور اگر فاعل مؤنث ہو تو فعل بھی مؤنث ہو گا۔ البتہ
★ فعل اور فاعل کے درمیان کوئی اور کلمہ حائل ہو تو فعل مؤنث بھی ہو سکتا ہے اور مذکر بھی جیسے:

جَاءَ الْيَوْمَ الْبِنْتُ　اور　جَاءَتِ الْيَوْمَ الْبِنْتُ　دونوں درست ہیں۔

★ مؤنث حقیقی (یعنی جنس کے لحاظ سے مؤنث) نہ ہو بلکہ استعمال کے لحاظ مؤنث (جسے مؤنث سماعی کہتے ہیں) ہو۔ مثلاً

طَلَعَ الشَّمْسُ　اور　طَلَعَتِ الشَّمْسُ　دونوں درست ہیں۔

الفَاعِل والفِعل والمَفعُول بِهٖ

الفَاعِل:

فقرے میں فاعل کام کرنے والے کو کہتے ہیں یعنی جملے میں جو کوئی کام کر رہا ہو اسے فاعل کہیں گے۔ مثلاً

اَسلَمُ يَضرِبُ الكَلْبَ　اور　اَحمَدُ يَخرُجُ اِلَى المَدْرَسَةِ

اوپر دی گئی مثالوں میں بالترتیب اَسلَم اور اَحمَد فاعل ہیں۔

الفعل: فقرے میں جو کام ہو رہا ہو اسے فعل کہتے ہیں۔ مثلاً

اوپر دی گئی مثالوں میں يَضرِبُ اور يَخرُجُ فعل ہیں۔

المفعول: فقرے میں جس شخص یا چیز پر کوئی کام ہو رہا ہو، اسے مفعول کہتے ہیں۔ مثلاً

اوپر دی گئی مثالوں میں الكَلْبَ اور المَدرَسَةَ مفعول ہیں۔

NOT FOR SALE

مشق

سوال نمبر۱: **درج ذیل سوالات کے جواب تفصیل سے دیں۔**

الف۔ المرکب الناقص پر جامع نوٹ لکھیں اور مثالوں سے وضاحت کریں۔

ب۔ جملہ اسمیہ اور جملہ فعلیہ کی تعریف کریں اور اپنے جواب کو مثالوں سے واضح کریں۔

سوال نمبر۲۔ **درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں۔**

الف۔ مضاف اور مضاف الیہ سے کیا مراد ہے؟

ب۔ ''فاعل'' کیا ہے؟ مثالوں سے وضاحت کریں۔

ج۔ مبتداء اور خبر کسے کہتے ہیں؟

د۔ فعل لازم سے کیا مراد ہے؟

ہ۔ ''مفعول'' کسے کہتے ہیں؟ مثالوں سے وضاحت کریں۔

و۔ موصوف اور صفت میں فرق واضح کریں۔

ز۔ ''فعل'' سے کیا مراد ہے؟ مثالوں سے وضاحت کریں۔

ہ۔ مؤنثِ حقیقی اور مؤنثِ سماعی میں کیا فرق ہے؟

سوال نمبر۳۔ **درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔**

i۔ درج ذیل میں سے کس جملے میں مرکب اضافی استعمال کیا گیا ہے۔

الف. ذٰلِکَ بَابُ الْمَدْرَسَةِ ب. هٰذَا رَجُلٌ صَادِقٌ

ج. ذٰلِکَ طَرِيقٌ عَرِيضٌ د. اَسْلَمُ يَضْرِبُ كَلْبٌ

ii۔ درج ذیل میں سے ضمیر متصل کی نشاندہی کریں۔

الف۔ رَجُلٌ صَالِحٌ ب۔ لَاعِبٌ سَرِيعٌ ج۔ اِسْمُکَ د۔ اَلْاَشْجَارُ الْعَالِيَةُ

iii۔ ''اَلدَّارُ الْآخِرَةُ دَارُ الْبَقَاءِ'' دیے گئے جملے میں مبتداء اور خبر ہیں۔

الف۔ مبتداء مفرد، خبر مرکب ب۔ مبتداء مرکب، خبر مفرد

ج۔ مبتداء اور خبر دونوں مرکب د۔ مبتداء اور خبر دونوں مفرد

iv۔ عام طور پر جملہ اسمیہ میں مبتداء____ ہوتا ہے۔

الف۔ اسم فاعل ب۔ اسم نکرہ ج۔ اسم معرفہ د۔ اسم موصوف

v۔ ایسا فعل جو مفعول کے بغیر مکمل نہ ہو اُسے کیا کہتے ہیں؟

الف۔ فعل مضارع ب۔ فعل ماضی ج۔ فعل متعدی د۔ فعل لازم

vi۔ جملہ اسمیہ میں اگر مبتداء جمع مکسر ہو تو خبر ہو گی۔

الف۔ واحد مذکر ب۔ واحد مؤنث ج۔ جمع مذکر د۔ جمع مؤنث

vii۔ جملہ فعلیہ میں فاعل اگر جمع غیر عاقل ہو تو اس کا فعل ہو گا۔

الف۔ واحد مذکر ب۔ جمع مذکر ج۔ واحد مؤنث د۔ جمع مؤنث

سوال 4: خالی جگہ مناسب الفاظ سے پر کریں۔

الف۔ جملہ اسمیہ وہ ہوتا ہے جس کی ابتداء اسم ظاہر یا______ سے ہو۔

ب۔ اسمیہ جملے میں اگر خبر مبتداء سے پہلے آ جائے تو مبتداء عموماً___نکرہ___ ہوتا ہے۔

ج۔ ''هٰذَا كِتَابُ الْاُسْتَاذِ'' میں کتاب کو استاد کے ساتھ جو نسبت ہے اسے___اضافت___ کہتے ہیں۔

د۔ تذکیر و تانیث میں صفت اپنے___موصوف___ مطابق ہوتی ہے۔

ہ۔ جملہ فعلیہ وہ ہوتا ہے جس کے شروع میں کوئی___فعل___ ہو۔

و۔ جملہ اسمیہ میں اگر مفعول پر زور دینا مقصود ہو تو اسے فاعل______ لکھا جاتا ہے۔

سوال5: کالم ملایئے۔

۱۔	أَسلَمُ يَضرِبُ الْكَلْبَ	چاند نکلا۔
۲۔	لَاعِبٌ سَرِيعٌ	يَضرِبُ
۳۔	طَلَعَ القَمَرُ	اسلم کتے کو مار رہا ہے۔
۴۔	هٰذَا كِتَابُ الأُستَاذِ	إسمِي
۵۔	طَرِيقٌ عَرِيضٌ	تیز رفتار کھلاڑی
۶۔	فعل مضارع	منصوب ہوتا ہے۔
۷۔	منفصل ضمیر ہے	یہ استاد کی کتاب ہے۔
۸۔	فاعل ہمیشہ	مرفوع ہوتا ہے۔
۹۔	ضمیر متصل	نَحنُ
۱۰۔	مفعول ہمیشہ	چوڑا راستہ

NOT FOR SALE

مصنفین کے بارے میں

۱۔ نیاز محمد

نیاز محمد ایک سرگرم ماہر تعلیم ہیں۔ آپ کا تعلق سربند پشاور سے ہے۔ آپ نے شیخ زید اسلامک سنٹر سے بی۔ اے آنرز کے ساتھ ساتھ پشاور یونیورسٹی سے ایم اے اسلامیات اور ایم اے عربی کی ڈگریاں حاصل کی ہیں۔ آپ عرصہ دراز سے ایک سرکاری ادارے میں اسلامیات اور عربی کی درس و تدریس کے شعبہ سے وابستہ ہیں۔

۲۔ محترمہ پروین اختر

آپ گزشتہ تیرہ سال سے درس و تدریس میں مصروف ہیں۔ آپ نے ایم اے عربی زبان وادب کی ڈگری پنجاب یونیورسٹی لاہور سے حاصل کی۔ تحقیق اور تدریس سے گہری دلچسپی ہے۔ آج کل آپ گورنمنٹ ڈگری کالج برائے خواتین، مسلم ٹاؤن، راولپنڈی میں تدریس عربی واسلامیات کے فرائض سرانجام دے رہی ہیں۔

۳۔ مسز ناصرہ حمید

آپ گزشتہ تیرہ سال سے درس و تدریس میں مصروف ہیں۔ آپ نے ایم اے اسلامک ہسٹری کی ڈگری کراچی یونیورسٹی سے حاصل کی۔ تحقیق اور تدریس سے گہری دلچسپی ہے۔ آج کل آپ گورنمنٹ ڈگری کالج برائے خواتین، مسلم ٹاؤن، راولپنڈی میں تدریس اسلامیات کے فرائض سرانجام دے رہی ہیں۔

NOT FOR SALE

۴۔ محترمہ عنبر نوریز

آپ گزشتہ آٹھ سال سے تعلیم وتدریس، درسی کتب کی تیاری اور تعلیمی پیائش وجائزہ کی سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔آپ قومی تعلیمی جائزہ نظام (NEAS) اورشعبہ نصاب، وفاقی وزارتِ تعلیم، اسلام آباد کے ساتھ وابستہ رہی ہیں۔آپ نے ماسٹرز کی ڈگری بارانی زرعی یونیورسٹی راولپنڈی سے حاصل کی۔آپ اس وقت گورنمنٹ گرلز ہائر سیکنڈری سکول نمبر1،کھوڑ ضلع اٹک میں فرائضِ منصبی ادا کر رہی ہیں۔

مومن تو آپس

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”میری اور مجھ سے پہلے تمام انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے ایک گھر بنایا اور اسے بہت اچھا اور خوب صورت بنایا مگر اس کے ایک کونے میں ایک اینٹ چھوٹ گئی۔اب تمام لوگ آتے ہیں اور مکان کو چاروں طرف سے گھوم کر دیکھتے ہیں اور تعجب میں پڑ جاتے ہیں مگر یہ بھی کہتے ہیں کہ یہاں پر ایک اینٹ کیوں نہ رکھی گئی؟ تو میں ہی وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں“

(صحیح بخاری: باب خاتم النبیین)

NOT FOR SALE

مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ پس اپنے دو بھائیوں میں صلح کرا دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

(سورۃ الحجرات: ۱۰)

کسی نے ہرگز کوئی کھانا اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر نہیں کھایا ہے۔اللہ تعالیٰ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی کھایا کرتے تھے۔ (حدیث نبوی ﷺ صحیح بخاری)

قومی ترانہ

پاک سرزمین شاد باد
کشورِ حسین شاد باد
تو نشانِ عزمِ عالی شان
ارضِ پاکستان!
مرکزِ یقین شاد باد

پاک سرزمین کا نظام
قوتِ اخوتِ عوام
قوم، ملک، سلطنت
پائندہ تابندہ باد
شاد باد منزلِ مراد

پرچمِ ستارہ و ہلال
رہبرِ ترقی و کمال
ترجمانِ ماضی شانِ حال
جانِ استقبال!
سایۂ خدائے ذوالجلال

Leading Books Publisher
Jamrud Road, Peshawar

Code No	Quantity	Printer
PSP/PMNT-49-217-1920(O)	87,630	Paramount Printing Press